

8. Colledge



[illegible]

Date \_\_\_\_\_

UNIVERSITY OF KASHMIR  
LIBRARY







منزل اول

یعنی

انتخاب کلام میر

(جلد دوم)

مترتب

نواب جعفر علی نقال صاحب انژلیکھنوی

کتابی دُنیا لمیٹڈ۔ دہلی



عسوالیہ

جملہ حقوق محفوظ

31 م

U1

جولائی ۱۹۷۷ء

بار اول ۱۰۰۰

قیمت ۷۰



K UNIVERSITY LIB

Acc No. 315033

Date 11-3-88

مطبوعہ خیال پرنٹنگ پریس دہلی

BT 01

1/3



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## دیوان دوم

ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا  
 نکلے ہے جی ہی اُس کے لیے کائنات کا  
 بکھری ہے زلف اُس رُخ عالم فروز پر  
 ورنہ بناؤ ہو وے نہ دن اور رات کا  
 اشجار خامہ ہو ویں جو آبِ سیہ بحار  
 لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اُس کے صفات کا  
 اُس کے فروغِ حُسن سے جھمکے ہے سب میں نو  
 شمعِ حرم ہو یا کہ دیا سو مناسات کا  
 بالذات ہے جہاں میں وہ موجود ہر جگہ  
 ہے دید، چشمِ دل کے کھلے عین ذات کا  
 کائناتِ تحکم نامہ سما ہی کا فر



لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپنا جانا  
 کب خضر و سیحانے مرنے کا ہوا جانا  
 تمھانا زہر بہت ہم کو دانست پر اپنی بھی  
 آخر وہ بُرا نکلا ہم جس کو بھلا جانا  
 ہے میرے ترے نسبت رُوح اور حسد کی سی  
 کب آپ سے میں تجھ کو اسے جان جدا جانا

پائے خطاب کیا کیا، دیکھے عتاب کیا کیا  
 دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا  
 کچھ گل سے ہیں شگفتہ کچھ سرو سے ہیں قدش  
 اُس کے خیال میں ہم دیکھے ہیں خواب کیا کیا  
 انواعِ جرم میرے پھر بے حساب و بے حد  
 روزِ حساب لیں گے مجھ سے حساب کیا کیا  
 پھر پھر گیا ہے آکر منہ تک جگر ہمارے  
 گزرے ہیں جان و دل پر یاں صنطرب کیا کیا



طرز نگاہ اُس کی دل لے گئی سمجھوں کے  
 کیا مومن و برہمن کیا گہرا اور ترسا  
 تم واقف طریقِ بے طاقتی نہیں ہو  
 یاں راہِ دو قدم ہے اب دور کا سفر سا  
 انداز سے ہے پیدا سب کچھ خبر ہے اُس کو  
 گو تیرے سرو پا ظاہر ہے بے خبر سا

یتیم ستم سے اُس کی مرا سر جدا ہوا  
 شکر خدا کہ حق محبت ادا ہوا  
 اُس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھیے  
 جیسے کسو کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا  
 قاصد کو دے کے خط نہیں کچھ بھیجنا ضرور  
 جاتا ہے اب تو جی ہی ہمارا چلا ہوا

عزت بھی بعدِ ذلتِ بسیار چھوڑ ہے  
 مجلس میں جب خفیف کیا بھرا دوسرے کا



ظاہر میں کیا کہو ہو، سخن زیر لب سے کیا  
اُس مہ بغیر تیر کا مرنا عجب ہوا  
ہر چہند مرگ عاشق مسکین عجب ہے کیا

جھمکی دکھا کے طور کو جن نے جلا دیا  
آئی قیامت اُن نے جو پردہ اٹھا دیا  
اب بھی دماغ رفتہ بہا رہے عرش پر  
گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا

بہنوں کو آگے تھا ہی آزار عشق کا  
جیتا رہا ہے کوئی بھی بہا رہ عشق کا؟  
چھوٹا جو مر کے قید عبا رات میں کھنسا  
القصدہ کیا رہا ہو گرفتار عشق کا

ستم سے گو ترے پیکشتہ جفا نہ رہا



# فهرست جلد اول

صفحه			
۳	از مرتب	مقدمه	۱
۷۷	دکتر امرناتق حجا	مقاله	۲
۱		دیوان اول	۳

## جلد دوم

۲۷۷	دیوان دوم	۴
۴۳۹	دیوان سوم	۵
۵۳۱	دیوان چهارم	۶
۵۹۹	دیوان پنجم	۷
۶۷۷	دیوان ششم	۸

عبدالله







دیوان دوم







دلِ ستم زدہ کس وقت اُس میں جانہ رہا  
 ملا نا آنکھ کا ہر دم فریب تھا، دیکھا  
 پھر ایک دم میں وہ بے دید آشنا نہ رہا  
 حمیت اس کے تئیں کہتے ہیں جو تیر میں تھی  
 گیا جہاں سے یہ تیری گلی میں آنہ رہا

ہے ابر کی چادر شفقتی جوش سے گل کے  
 میخانے میں جا دیکھیے یہ رنگ ہوا کا  
 تدبیر تھی تسکین کے لیے لوگوں کی، ورنہ  
 معلوم تھا مدت سے ہمیں نفع و ادا کا

عالم کی سیر تیر کی صحبت میں ہو گئی  
 طالع سے میرے ہاتھ یہ بے دست پالکا

ایک سا عالم نہیں رہتا ہے اس عالم کے بیچ  
 اب جہاں کوئی نہیں یاں ایک عالم ہو گیا



آبِ حیواں میں طالع سے مرے سم ہو گیا

معلوم تیرے چہرہ پر نور کا لطف  
بالفرض آسماں پہ گیا پھول، مسرہوا

پہنچے ہے کوئی اُس تنِ نازک کے لطف کو  
گو گل چین میں جاے سے اپنے نکل پڑا  
تھے اختلالِ گرچہ مزاجوں میں کب سے لہک  
ہلنے میں اُس پلک کے نہایت خلل پڑا

دل فرطِ اضطراب سے سیماں سا ہوا  
چہرہ تمام زرد و زردِ ناب سا ہوا  
سمجھے تھے ہم تو تیر کو عاشق اُسی گھڑی  
جب نام تیرا سن کے وہ بیاب سا ہوا



ہوتا ہے کون دست بسر و اں غوغا سے  
 گالی ہے اب جواب سلام نیاز کا  
 ہے کیمیا گراں محبت میں قدر خاک  
 پر و قر کچھ نہیں ہے دل بے گداز کا  
 اس لطف سے نہ غنچہ نرگس کھلا کھو  
 کھلنا تو دیکھ اُس مژدہ نیم باز کا  
 کوتاہ تھا فسانہ جو مر جاتے ہم شباب  
 جی پر و بال سب ہے یہ عمر دراز کا  
 ہلتی ہے یوں پلک کہ گڑھی دل میں جا ہے  
 انداز دیدنی ہے مرے دل نواز کا  
 پھر تیر آج مسجد جامع کے تھے امام  
 داغ شراب دھوئے تھے کل جا نماز کا

م ابھی کیا محشر مشہور کا شور سا ہے تو و لیکن دور کا

ق

گئے پر خاک ہے سب کبر و نا  
 مٹ جھکو سر گو کسی مغرور کا  
 ہیکرے کو قدر ہے اُس کو نہیں  
 ٹوٹے جب کا سہ سر فقہور کا



نظر میں طور رکھ اُس کم نما کا      بھروسہ کیا ہے غم بے وفا کا  
 گلوں کے پیر ہن ہیں خاک سارے      کھلا تھا کیا کہیں بند اُس قبا کا  
 مروت چشم رکھنا سادگی ہے      نہیں شیوہ یہ اپنے آشنا کا

خدا کی اُور سے یہ اعتبار ہے ورنہ  
 جو خوب دیکھو تو میں کچھ ہن نہیں رکھتا  
 جُدا جُدا پھرے ہے میر سب سے کس خاطر  
 خیال ملنے کا اُس کے اگر نہیں رکھتا

گیا میں جان سے وہ بھی جو تک آتا تو کیا ہوتا  
 قدم دو ساتھ میری نعش کے جاتا تو کیا ہوتا  
 پھرا تھا دُور اُس سے مدتوں میں کوہ و صحرا میں  
 بلا کر پاس اپنے مج کو بٹھلاتا تو کیا ہوتا  
 ہوئے آخر کو سارے کام ضائع ناشکیبی سے  
 کوئی دن اور تاب ہجر دل لاتا تو کیا ہوتا



ق ہم سے تکلف اُس کا چلا جائے ہے وہی  
 کل راہ میں ملا تھا سو منہ ڈھانپ کر چلا  
 یہ چھیڑ و بکھ، ہنس کے رخ زرد پر مرے  
 کہتا ہے 'میر رنگ تو اب کچھ نہ کھر چلا'

کس وقت شرح حال سے فرصت ہمیں ہوئی  
 کس دن نیا نہ قاصد ادھر سے چلا کیا

اس موج خیز دھر میں تو ہے حباب سا  
 آنکھیں کھلیں تری تو یہ عالم ہے خواب سا  
 وہ دل کہ تیرے ہوتے رہا تھا بھرا بھرا  
 اب اُس کو دیکھئے تو ہے اک گھر خراب سا  
 یہ ہے فریب شوق کہ جاتے ہیں خط چلے  
 واں سے وگرنہ کب کا ہوا ہے جواب سا  
 مدت ہوئی کہ دل سے قرار و سکون گئے  
 رہتا ہے اب تو آٹھ پہر اضطراب سا  
 نواج اب سا ہے و لیکن اڑے ہے خاک



ہے تیر جس بے تیر ہستی سراب سا

اسباب مہیا تھے سب مرنے ہی کے لیکن  
اب تک نہ مڑے ہم جو اندیشہ کفن کا تھا  
سب سطح ہے پانی کا آٹینے کا سا تختہ  
دریا میں کہیں شاید عکس اس کے بدن کا تھا  
خوگر نہیں کچھ یوں ہی ہم ریختہ کوئی کے  
معتشوق جو اپنا تھا با شندہ دکن کا تھا

یہ روش ہے دلبروں کی نہ کسو سے ساز کرنا  
کوئی خاک سے ہو لکیاں وہی اُن کو ناز کرنا  
یہ بھی طرفہ ماجرا ہے کہ اُسی کو چاہتا ہوں  
مجھے چاہیے ہے جس سے بہت احتراز کرنا  
یہی تیر قسقت کھینچے درویر پہ تھے ساجد  
نہیں اعماق قابل انھوں کا نماز کرنا

اک آن اس زمانے میں یہ دل نہ دا ہوا



کیا جانے کہ میر زمانے کو کیا ہوا  
 از خویش رفتہ میں ہی نہیں اس کی راہ میں  
 آتا نہیں ہے پھر کے اُدھر کا گیا ہوا  
 دیکھا نہ ایک گل کو بھی چشمک زنی میں ہاے  
 جب کچھ رہا نہ باغ میں تب میں رہا ہوا  
 جس شعر پر سماع تھا کل خانقاہ میں  
 وہ آج میں سُنا تو ہے میرا کہا ہوا

نیمچہ ہاتھ میں مُستی سے لٹوسی آنکھیں  
 سچ تری دیکھ کر اے شوخ حذر ہم نے کیا  
 جیسے حسرت لیے جاتا ہے جہاں سے کوئی  
 آہ یوں کوچہ و بربہ سے سفر ہم نے کیا

وصل و ہجراں سے نہیں ہے عشق میں کچھ گفتگو  
 لاگ دل کی چاہیے ہے یاں قریب و دور کیا  
 ہو خرابی اور آبادی کی عاقل کو تمیز  
 ہم دوانے ہیں ہمیں ویران کہا ہو کیا



شب یکدے سے وارد مسجد ہوا تھا میں  
پر شکر ہے کہ صبح تیں بے خبر رہا  
اب چھتر یہ رکھی ہے کہ پوچھے ہے بار بار  
کچھ وجہ بھی کہ آپ کا منہ ہے اتر رہا

جلوہ ترا تھا جب تیں باغ و بہار تھا  
اب دل کو دیکھتے ہیں تو صحرا سا ہو گیا

عشق کی سوزش نے دل میں کچھ نہ چھوڑا کیا کہیں  
لگ اٹھی یہ آگ ناگاہی کہ گھر سب بچک گیا

پھر تانا ہے زندگی کے لیے آہ خواہ کیا  
اس وہم کی نمود کا ہے اعتبار کیا  
کیا جانیں ہم اسیرِ قفسِ زادِ اسے نسیم  
تعل کیسے باغ کہتے ہیں کس کو بہار کیا  
آنکھیں رنگِ نقشِ قدم ہو گئیں سفید  
پھر آؤر کوئی اس کا کرے انتظار کیا



عاشق کے دل سے رکھ نہ تسلی کی چشمِ شبت  
 ہے برق پارہ یہ اسے آدے قسار کیا  
 صحبت رہی بگڑتی ہی اُس کینہ و ز سے آہ  
 ہم جانتے نہیں ہیں کہ ہوتا ہے پیار کیا  
 پاتے ہیں اپنے حال میں مجبور سب کو ہم  
 کہنے کو اختیار ہے، پر اختیار کیا  
 آخر زمانہ سازی سے کھویا نہ دق و میر  
 یہ اختیار تم نے کیا روزگار کیا

خیمہ ہی وہ دہان ہے گویا  
 رُسبر کیس ہے لیک وہ پُرکا  
 تر دے گل سے مرغِ خمیں  
 مجد ایسی بھری بھری کب ہے  
 مکہ ہیں اس غزل میں شعر بلند  
 ہی شورِ مزاجِ شیب میں ہے  
 ہونٹ پر رنگِ سپان ہے گویا  
 دیکھو تو مسربان ہے گویا  
 چپ ہے یوں بے زبان ہے گویا  
 میکدہ اک جہان ہے گویا  
 یہ زمین آسمان ہے گویا  
 میر اب تک جو ان ہے گویا

ان سخیوں میں کس کا میدان خواب پر تھا



بالیں کی جاے ہر شب یاں سنگ زیرِ سر تھا  
 تیشے سے کوہکن کے کیا طرفہ کام نکلا  
 اپنے تو ناخنوں میں اس طور کا ہنر تھا  
 عصمت کو اپنی روتے واں تو ملک پھرے ہیں  
 لغزش ہوئی جو مجھ سے، کیا عیب، میں شہر تھا  
 کل ہم وہ دونوں یک جا ناگاہ ہو گئے تھے  
 وہ جیسے برقِ خاطر، میں جیسے ابر تر تھا  
 ہوش اڑ گئے سمجھوں کے شورِ سحر سے اُس کے  
 مرغِ چمن اگرچہ اک مُشتِ بال و پر تھا  
 ہش یاری اُس کی دیکھو کیفی ہو مجھ کو مارا  
 تاسن کے سب کہیں یہ وہ مُشت و بے خبر تھا  
 جب نالہ کش ہوا وہ تب مجلسیں رُلا ہیں  
 تھا میرِ دل شکستہ یا کوئی نوحہ گر تھا

تیغ لے کر کیوں تو عاشق پر گیا  
 زیرِ لب جب کچھ کہا وہ مر گیا  
 کہا منہ ہا ہے اُس کے کوچے میں طلسم



پھر نہ آیا جو کوئی او دھس گیا  
 کہتے ہیں ضائع کیا اپنے تئیں  
 میسر تو دانا تھا، یہ کیا کر گیا

جی رُک گئے اے ہمدردِ دل خون ہو بھر آیا  
 اب ضبط کریں کب تک منہ کو توجہ کر آیا  
 تھی چشم دم آخر وہ دیکھنے آوے گا  
 سو آنکھوں میں جی آیا پر وہ نہ نظر آیا  
 ہر شے ترا خواہاں اک زخمِ دگر کا تھا  
 کی مشقِ ستم تو نے پر خون نہ کر آیا  
 صنوت گریاں ہم نے کہیں سیکڑوں یاں لیکن  
 جس سے وہ بکھو ملتا، ایسا نہ ہنس آیا

رہے میر کا مگر گل سا      کہ سحرِ ناکش ہے پہل سا  
 ب تھی جراتِ رقیب کی اتنی      تم نے بھی کچھ کیا توفیق سا  
 نگہ، ایک چشمک، ایک سخن      اس میں بھی تم کو ہے تاہل سا  
 مٹی نہ بخیر پائے میر مگر      رات سننے رہے ہیں ہم غل سا



چمن میں جا کے جو میں گرم و صفا یا رہا  
گل اشتیاق سے میرے گلے کا ہار ہوا  
ہماری خاک پر اک بیکیستی برستی ہے  
ادھر سے ابر جب آیا تب اشکبار ہوا

ایک دل کو ہزار داغ لگا      اندرونی میں جیسے باغ لگا  
اُس کے یوں گل نے رنگ پکڑا ہے      شمع سے جیسے پس چراغ لگا  
میر اُس بے نشان کو پایا جان      کچھ ہمارا اگر سراغ لگا

تین کی اپنی صفت لکھتے جو کل وہ آگیا  
ہنس کے اُس پر چے کو میرے ہی گلے بندھو گیا  
داغ مجھ کو بی ہوں اُس کا میں کہ میرے روبرو  
عکس اپنا آرسی میں دیکھ کر شرمایا گیا

داغ عشق میں خوں دیکھا آنکھوں کو گیا دیکھا  
پیغمبر کنعاں نے دیکھا نہ کہ کیا دیکھا

میر جی میر جی میر جی میر جی میر جی



آنکھوں کے لڑانے کا ہم خوب مراد رکھا  
 جی دیتے ہیں مرنے پر سب شہر محبت میں  
 کچھ ساری خدائی سے یہ طور نیا دیکھا  
 کہ دل کو گنوا یا ہے یا رنج اُٹھا یا ہے  
 اے تیر تجھے ہم نے کچھ آج خفا دیکھا

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا  
 آگ لینے لگا آئے تھے، یہ آنا کیا تھا  
 دیکھنے آئے دم نزع لیے مُنہ پہ نقاب  
 آخری وقت میں یہ مُنہ کا چھپانا کیا تھا

وارِ دلکش غزل خواں میں جو دل بریاں ہوا  
 دامن گل گریہِ خونیں سے سرب افشاں ہوا  
 تھا جگر میں جب ملکِ قطرہ ہی تھا خوں کا شرک  
 اب جو آنکھوں سے تجاوز کر چلا طوفاں ہوا  
 اُس کے میرے بیچ میں آئینہ آیا تھا، ولے  
 صورتِ احوال ساری دیکھ کر حیراں ہوا



دل نے خوں ہو عشقِ خواہاں میں بکھری کھائی بے رنگ  
 چہروں کا غارہ ہوا، ہونٹوں کا رنگِ پاں ہوا  
 جب سے ناموس جنوں گردن بندھا تپ سے تیر  
 جیبِ جاں و لبّہ زنجیر تا داماں ہوا

آیا ہے ابر گھر کر قبلے سے تیرا تیرا  
 مستی کے ذوق میں ہیں آنکھیں بہت ہی خیرا  
 محنوں نے حوصلے سے دیوانگی نہیں کی  
 جاگہ سے اپنی جانا اپنا نہیں دیرا  
 آئینے کو بھی دیکھو، پرٹک ادھر بھی دیکھو  
 حیران چشم عاشق دکے ہے جیسے ہیرا  
 غیرت سے تیر صاحب سب جذب ہو گئے تھے  
 نکلا نہ بوند لو ہو، سینہ جو ان کا چیرا

یاں اپنی آنکھیں پھر گئیں پر وہ نہ آ پھرا  
 دیکھا نہ بدگمان ہمارا بھلا پھرا  
 طالع پھرے، سبہر پھرا، قلب پھر گئے



چندے وہ رشکِ ماہ جو ہم سے جدا پھرا  
 بندہ ہے پھر کہاں کا جو صاحب ہو بے دماغ  
 اُس سے خدائی پھرتی ہے جس سے خدا پھرا  
 خانہ خراب تیر بھی کتنی غور تھا!  
 مرنے ہوا پر اُس کے کبھو گھرنہ جا پھرا

عشق نے کیا کیا تصرفِ پاں کیے ہیں آجکل  
 چشم کو پانی کیا سب، دل کو سب ہو گیا  
 کام میں قدرت کے کچھ بولا نہیں جاتا ہے  
 خوب رو اُس کو کیا لیکن بہت بد خو کیا  
 جانا اُس آراگہ سے ہے بعینہ بس یہی  
 جیسے سوتے سوتے ایدھر سے اُدھر پہلو کیا  
 چھول نرس کا لیے بھیچک کھڑا تھا راہ میں  
 کس کی چشم پر فسوں نے تیر پر جادو کیا

عاشق ترے لاکھوں ہوئے بھسانہ پھر پیدا ہوا  
 تجھ پر کوئی اے کامِ جاں دیکھانہ یوں مرتا ہوا



مدت ہوئی اُلفت کیے برسوں ہوئے طاقت گئے  
 دل مضطرب ایسا نہ تھا، کیا جانے اب کیا ہوا  
 کتنوں کے دل بے جا ہوئے، کتنے نہ جانا کیا ہوئے  
 چلنے میں اُس کے دو قدم ہنگامہ اک ہر پا ہوا  
 مستی میں لشرزش ہو گئی معذور رکھا چاہتے  
 اے اہل مسجد اس طرف آیا ہوں میں بہکا ہوا  
 جو حُسن ہے اک فتنہ گر، تو عشق بھی ہے پردہ در  
 وہ شہرہ عالم ہوا، میں خلقت میں رُسوا ہوا

کہیں ٹھہرنے کی جا یاں نہ میں نے دیکھی تیر  
 جہن میں عالم امکاں کے جیسے آب پھرا

لے رنگ بے ثباتی یہ گلستاں بنایا  
 بلبل نے کیا سمجھ کر یاں آشیاں بنایا  
 اُڑتی ہے خاک یارب شام و سحر جہاں میں  
 کس کے غبارِ دل سے یہ خاکد اں بنایا



کیا کیا نہ رنگ لائے تباہ جہاں بنایا  
 آئینے میں کہاں ہے ایسی صفا کھے تو  
 جہوں سے راستوں کے وہ آستیاں بنایا  
 نقش قدم سے اُس کے گلشن کی طرح ڈالی  
 گردِ رہ اُس کی لے کر سروِ رواں بنایا  
 ہونے پہ جمع اپنے چھو لا بہت تھا، لیکن  
 کیا غنچہ تنگ آیا جب وہ دہاں بنایا  
 اس صحنِ یر یہ وسعت اللہ رے تیری صنعت  
 معمار نے قضا کے دل کیا مکاں بنایا  
 وہ تو مٹا کیا تھا تربت بھی تیر جی کی  
 دو چار اینٹیں رکھ کر پھر میں نشاں بنایا

ہم عاجزوں پر آ کر یوں کوہِ غم گر ہے  
 جیسے زمیں کے اوپر ایک آسمان مارا

ق

یہ تیر ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا



انداز سخن کا سبب شور و فغاں تھا  
جادو کہ پر ہی پرچہ ابیات تھا اُس کا  
منہ تکتے غزل پڑھتے عجب سحر بیاں تھا  
جس راہ سے وہ دل زدہ دلی میں نکلتا  
ساتھ اُس کے قیامت کا سا ہنگامہ رواں تھا  
افسردہ نہ تھا ایسا کہ جوں آب زدہ خاک  
آندھی تھا، بلا تھا، کوئی آشوب جہاں تھا  
کس مرتبہ تھی حسرت دیدار مرے ساتھ  
جو پھول مری خاک سے نکلا، نگراں تھا  
فاصل تھے ہم احوال دل خستہ سے اپنے  
وہ گنج اسی گنج خرابی میں نہاں تھا

عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا  
یا تن آدمی میں دل نہ بنایا ہوتا  
عزت اسلام کی کچھ رکھ لی خدا نے، ورنہ  
زُلف نے تیری تو زنا رہا ہوتا  
دل سے خوش طرح مکاں پھر بھی کہیں بنتے ہیں



اس عمارت کو ٹنک اک دیکھ کے ڈھایا ہوتا  
 کم کم اٹھتا وہ نقاب آہ کہ طاقت رہتی  
 کاشش اک بار ہمیں منہ نہ دکھایا ہوتا  
 میسر اظہار محبت میں گیا جی نہ ترا  
 ہاے نادان بہت تو نے چھپایا ہوتا

ایک ڈھیری راگھ کی تھی صبح جائے میسر پر  
 برسوں سے جلتا تھا شاید رات جل کر رہ گیا

طریق خوب ہے آپس میں آشنائی کا  
 نہ پیش آوے اگر مر حالہ جدائی کا  
 یہیں ہیں دیروصرم اب تو حقیقت ہے  
 دماغ کس کو ہر اک در کی جہہ سائی کا  
 رکھا ہے باز ہمیں در بدر کے پھرنے سے  
 یہ اپنے منہ پر ہے احساں شکستہ پائی کا

یہ رفتگی بھی ہوتی ہے، جی ہی چلا گیا



کل عادلِ سیرِ دیکھ کے غشِ مجکو آگیا  
 نالاں ہے عندِ لبِ گلِ آشفۃ، رفتہ مرو  
 ٹک۔ بیٹھ کر چمن میں وہ فتنہ اُٹھا گیا  
 آنسو تو ڈر سے پی گئے، لیکن وہ قطرہ آب  
 اک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گیا  
 وقتِ اخیر کیا یہ ادا تھی کہ غش سے میں  
 جب آنکھ کھولی بابوں میں منہ کو چھپا گیا

تھا لطفِ زلیست جن سے وے اب نہیں میر  
 مُت ہوئی کہ ہم نے جلیے سے ہاتھ اٹھایا

نکتہ مشتاقِ یار ہے اپنا      شاعری یوں شعار ہے اپنا  
 بے خودی لے گئی کہاں ہم کو      دیر سے انتظار ہے اپنا  
 رونے پھرنے ہیں ساری ساری رات      اب ہی روزِ گاہ ہے اپنا  
 دے کے دل ہم جو ہو گئے مجبور      اس میں کیا اختیار ہے اپنا

کیوں کرنے مر رہے جو بے تاب میر سا ہو



ایک آدھ دن تو گھر سے دل تھام تھام نکلا

میں کچھ کہا نہیں جاتا اور چپ بھی رہا نہیں جاتا  
تو دل تلک تعب کھینچے اب ستم تک سہا نہیں جاتا  
دُور تر کا حیرتی ہے جگر تب تو اُس سے بہا نہیں جاتا  
ن تری رہ میں تیر گرد آلود لو ہو میں آہنا نہیں جاتا

زعماء و دھر گئی تھی نگاہ سو آنکھیں وہ مجھ کو دکھانے لگا  
رہتے عاقل علاقے بغیر کہیں تیر دل کو دووانے لگا

میرے غور و ناز تیرا مطلق نہیں مجھ سے سنا ز تیرا  
عشق و ہوس میں فرق بھی کر کیدھر ہے وہ اتنا ز تیرا

میرت تیر نے مجھ کو یہی کی کہ سب کچھ ہوتا تو عاشق نہ ہونا

اب وہ جگر تپش سے تر پتا ہے تشناب  
مُدّت تلک جو تیر کا لو ہو پیا کیا



صد شکر کہ داغِ دل افسردہ ہوا، ورنہ  
 یہ شعلہ بھڑکتا تو گھر بار جلا جاتا  
 کہتے تو ہو، یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا  
 یہ کہنے کی باتیں ہیں، کچھ بھی نہ کہا جاتا  
 گر عشق نہیں ہے تو یہ کیا ہے بھلا مجھ کو  
 جی خود بخود اے ہمدم کا ہے کوکھیا جاتا

جو کچھ نظر پڑے ہے حقیقت میں کچھ نہیں  
 عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا  
 دریا دلی جنہیں ہے نہیں ہوتے کاسہ لیس  
 دیکھا ہے واٹرگوں ہی پیالہ حباب کا  
 شاید کہ قلبِ یار بھی ٹمک اس طرف پھرے  
 میں منتظر زمانے سے ہوں انقلاب کا  
 یہ ہوش دیکھ آگے مرے ساتھ غیر کے  
 رکھتا ہے پاؤں مست ہو جیسے شراب کا  
 لائق تھا ریکھنے ہی کے مصرعِ قد یار  
 میں معتقد ہوں تیرے انتخاب کا



بعدِ مدت اس طرف لایا تھا اُس کو جذبِ عشق  
بخت کی ہشتنگی سے آتے آتے پھر گیا

طاقت سے میرے دل کی خبر تک کو کہا نہ تھی  
ظالم نگاہِ خشمِ ادھر کی غضب کیا  
بجھڑے تمہارے اپنا عجب حال ہو گیا  
جس کی نگاہ پر گئی اُن نے عجب کیا

مجھ مٹت کو کیا نسبت اے تیرے مسائل سے  
مُنہ شیخ کا مسجد میں یں رکھ کے مسئل ڈالا

بہتوں نے چاہا کہیے یہ کوئی نہ کہہ سکا

احوال عاشقی کا مری گو لگو رہا

میں آنکھیں اٹھانی دل نے چوٹ

یہ تماشا ئی عجب گھائل ہوا

عاقبت بوسے کا میں سائل ہوا

اپنا ہونا بیچ میں حائل ہوا

جی سے گئی ناموسِ فخر

تھے ہم سے نہ ہوتے ہست



کوئی فقیر یہ اسے کاشکے دعا کرتا  
 کہ مجھ کو اُس کی گلی کا خدا لگا کرتا  
 جہنم میں بھول گل اب کے ہزار رنگ کھلے  
 دماغ کاشکے اپنا بھی ٹک و فاکرے  
 بدی نتیجہ ہے نیکی کا اس زمانے میں  
 بھلا کس سے جو کرتا تو تو بُرا کرتا

کوئی سادہ ہی اُس کو سادہ کہے لگے ہے ہمیں تو وہ عیار سا  
 محنت ہے یا کوئی جی کسے روگ سدا میں تو رہتا ہوں پیار سا  
 مگر آنکھ تیری بھی پچھلی کہیں ٹپکتا ہے چوٹن سے کچھ پیار سا  
 نہیں میرا مستان صحبت کا باب مصاحب کرو کوئی ہشیار سا

حیراں ہے لفظ لفظ طرزِ عجب عجب کا  
 جو رفہ محبت واقف ہے اُس کے دُعا کا  
 کہتے ہیں کوئی صورتِ بن معنی یاں نہیں ہے  
 یہ وجہ ہے کہ عارف مُنہ دیکھتا ہے سب کا  
 افسوس ہے، نہیں تو انصاف دوست و نہ



شایانِ لطف و شمن، شاید میں غضب کا  
کیا آج کل سے اُس کی یہ بے توجہی ہے؟  
مُنہ اُن نے اس طرف سے پھیرا ہے تیرے کب کا

و اے احوال اُس جفاکش کا      عاشق اپنا جیسے وہ جان گیا  
دل نہ آنے میں ایکایں تیرے      آج سو سو طرف گمان گیا  
دل سے مت جا کہ پھر وہ پچایا      ہاتھ سے جس کے یہ مکان گیا

ہنگامِ شہرِ غم جگرِ خامہ شق ہوا  
سوئے دروں سے نامہ کیا اب ورق ہوا  
بندہ خدا ہے پھر تو، اگر گزریے آپ سے  
مُرتا ہے جو کوئی اُسے کہتے ہیں حق ہوا  
دل میں رہا نہ کچھ تو کیا ہم نے ضبطِ شوق  
یہ شہر جب تمام لٹا تب نسق ہوا  
وہ رنگ وہ روش وہ طرح سب گئی برباد  
آتے ہی تیرے ہرغ میں مُنہ گلی کا فوٹ ہوا  
برسوں تری گلی میں چمن سا نہ جو رہا



وہ دیدہ اب گداختہ ہو کر شفق ہوا  
اس نہ ورق میں تیر جو تھا شرح و بسط سے  
بیٹھا جو لے کے میں تو مرا اک ورق ہوا

کل میں کہا وہ طور کا شعلہ کہاں گرا  
دل نے جگر کی اور اشارت کی یاں گرا  
پہنچا یا مج کو عجز نے مقصود دل کے نہیں  
یعنی کہ اُس کے در ہی پہ میں ناواں گرا

ترپے ہے جبکہ سینے میں اچھلے ہے دو دو ہاتھ  
گر دل یہی ہے میسر تو آ رہا مہو چکا

عالم میں جاں کے مج کو ترہ سٹھا اب تو میں  
آلودگی جسم سے مائی میں آٹ گیا  
اب وہ سماں نہیں ہے کہ وہ کام چاہا  
مغموم مج کو دیکھ کے دلاں لپٹ گیا



اب کے یہ کام ہاتھ سے میرے سمٹ گیا

سینے میں شوق میرے سب دُرو ہو گیا  
دل پر رکھا تھا ہاتھ سو مُنہ زرد ہو گیا

کیا تُو، نمود کس کی، کیا کمال تیرا  
اے نقش و ہم آیا کید ہر خیالی تیرا  
پہلا قدم ہے انساں پامال مرگ ہونا  
کیا جانے رفتہ رفتہ کیا ہو مال تیرا  
ہوگی جو پھل سر ہو پنہاں نہیں رہے گی  
اک دن زبان ہوگا ایک ایک بال تیرا  
کچھ زرد زرد و ہرہ کچھ لاغری بدن میں  
کیا عشق میں ہوا ہے اے تیر حال تیرا

نقش کے چاک سے دیکھوں ہوں میں تو تنگ آنا ہوا  
جہن میں غنچ ہوا ناگلوں پر ہمصفیروں کا  
ہمارے دیکھتے زیر نگین تھا ملک سب جن کے



کوئی اب نام بھی لیتا نہیں اُن ملک گروں کا

ہوئیں رسوائیاں جس کے لیے چھوٹا و پار اپنا  
 ہوا وہ بے مروت ہے وفا ہرگز نہ پار اپنا  
 خدا جانے ہمیں اس بخودی نے کس طرف پھینکا  
 کہ مدت ہو گئی ہم کھینچتے ہیں انتظار اپنا  
 ذلیل اُس کی گلی میں ہیں تو ہوں آزدگی کسی  
 کہ رنجش اُس جگہ ہووے جہاں ہوا اعتبار اپنا  
 عجب ہم بے بصیرت ہیں کہاں کھولے بار اگر  
 جہاں سے لوگ سب رختِ سفر کرتے ہیں پار اپنا

ربطِ دل زلف سے اُس کی جو نہ چسپاں ہوتا  
 اس قدر حال ہمارا نہ پریشاں ہوتا  
 میری زنجیر کی جھینکا نہ کوئی سنتا  
 شورِ محنوں نہ اگر سلسلہ جنباں ہوتا  
 ہر سحر آئینہ رہتا ہے ترا منہ نکلتا  
 اگر تعلق نہ ہو تو نہ جہاں ہوتا



وصل کے دن سے بدل کیونکے شب بچاں ہو  
 شاید اس طور میں ایام کا نقصاں ہوتا  
 تیر بھی دیر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا  
 کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلمان ہوتا

آگیا عشق میں جو پیش نشیب اور فراز  
 ہو کے میں خاک برابر اُسے ہموار کیا  
 مائے بلبیل بے دل ہے پریشان بہت  
 موسم گل نے مگر رختِ سفر باندھ کیا

ستہ دل عشق کی جان کیا نظر پھیری تو نے تو وہ مر گیا

فرو کا سوچ تجھ کو کیا آج ہی پڑا ہے  
 کل کی سمجھو کل ہی کل تو اگر رہے گا

کب کھیا جاتا تھا یوں آنکھوں میں جیسا صبح تھا  
 پھول خوش رنگ اور اُس کے فرش پر جھک رہا



جل گیا یا قوت اُس کے لعل لب جب ہل گئے  
گوہرِ خوش آب اندازِ سخن سے تر ہوا

کھو تو دیر میں ہوں میں کھو ہوں کبھے میں  
کہاں کہاں لیے پھر تباہے شوق اُس دُر کا  
ہٹا کے کبھے کا بستا اُسے بھلاؤں راہ  
نشاں جو پوچھے کوئی مجھ سے پار کے گھر کا  
نہ ترک عشق جو کرتا تو میر کیا کرتا  
جفا کشتی نہیں ہے کام ناز پرور کا

اُس نہ سے دل کی لاگ وہی متصل رہی  
گو چرخ نے بصورتِ ظاہر جدا رکھا

میں جوانی میں مٹی پرست رہا      گردنِ شیشہ ہی میں مست رہا  
درِ پیخانہ میں مہرے مہر پر      ظلِ مہر و وہاں مست رہا  
میر کے ہوش کے ہیں ہم عاشق      فصلِ گل جب ملک بھی مست رہا



بس بھی ترا عاشق زار تھا گل و رد اک زرد خسار تھا  
 جس جس دل کی گراں قدر تھی وے جب ملک تو خریدار تھا  
 ست روئے ہم شبنم و گل کو دیکھ کہ چپاں ہمیں بھی کہیں پیار تھا

اندوہ و غم کے جوش سے دل رُک کے خون ہوا  
 اکے مجھے بہار سے آگے جنوں ہوا  
 پنخیر گاہ عشق میں افسراطِ صید سے  
 رُوح الایں کا نام شکارِ ربوں ہوا  
 ہوں داغِ ناز کی کہ کیا تھا خیالِ بوس  
 گلبرگِ ساوہ ہونٹ جو تھا نیلگوں ہوا  
 تیراں نے سرگزشتِ سنی ساری بات کو  
 افسانہ عاشقی کا ہماری فسوں ہوا

ہستی ہے اپنے طور پہ جوں بھر جوش میں  
 گردِ آب کیسا موج کہاں ہے حباب کیا  
 دیکھا پلک اٹھا کے تو پایا نہ کچھ اثر  
 اے غمِ برقِ جلوہ گئی تو شتاب کیا



ہر چند میر بستی کے لوگوں سے ہے نفور  
پر ہائے آدمی ہے وہ خانہ خراب کیا

اے نیکیلے یہ تھی کہاں کی ادا  
جادو کرتے ہیں اک نگاہ کے بیچ  
کھب گئی جی میں تیری بانگی ادا  
ہائے سے چشم و لہریں کی ادا  
سنتے ہو میرے بد زباں کی ادا  
دل چلے جائے ہیں خرام کے ساتھ  
دیکھی چلنے میں ان بتاں کی ادا  
خاک میں بل کے تہریم سمجھے  
بے ادائی تھی آسماں کی ادا

رہا میں تو عزت کا اعزاز کرتا  
نہ ہوتا میں حیرت میں محتاج گرہ  
چلا عشق خواہی کو ممتا کرتا  
تو تمکین سے کچھ نہ بولا۔ ورنہ  
جو کچھ آنسوؤں کو پس انداز کرتا  
سیا صنم ترکِ اعجاز کرتا

عید آئندہ تک ہے کا گلا  
ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

خلط ہمارا اُس کا حیرت ہی کی جگہ ہے



آنکھیں کھلیں تو دیکھا جو کچھ نہ دیکھنا تھا  
خوابِ عدم سے ہم کو کاہے کے تئیں جگایا

نہ تو آوے نہ جاوے بے قراری  
یوں ہی اک دن سنا میں مردہوں کا  
ترے غم کے ہیں خواباں سب نہ کھا غم  
کی کیا ہوگی جو اک میں نہ ہوں گا

اے تیش لو ہو پیہ میرا جو تو جھوٹ کہے  
کس سے یہ قاعدہ سیکھا ہے ہو پینے کا  
اس میں حیران ہوں کس کس گلہ تجھ سے کروں  
بدگمانی کہ تغافل کہ ترے کہنے کا  
تیر کی نفی پہ رکھ ہاتھ لگا کہنے طلب  
آج کی رات یہ بیمار نہیں جیتے گا

دل میں تازہ دل غ جلا اس سیہ خانے میں چراغ جلا



## دولیف اب

اندوہ سے ہوئی نہ رہائی تمام شب  
مجھ دل زدہ کو نیند نہ آئی تمام شب  
تائے سے میری پلکوں پہ قطرے سرشک کے  
دیتے رہے ہیں تیرے دکھائی تمام شب

داغ ہو چلتا ہے دل بے طور اب  
دیکھیے کیا گل کھلے ہے آؤ اب  
شعر پڑھتے پھرتے ہیں سب تیرے  
اس قلم و میں ہے اُن کا دُور اب

جن و ملک زمین و فلک سب نکل گئے  
بارگراں عشق و دل ناتواں ہے اب  
نکلی تھی اُس کی تیغ ہوئے خوش نصیب لوگ  
گردن جھکائی میں تو سنا یہ، اماں ہے اب



نزدی رنگ ہے غم پوشیدہ پردیل  
 دل میں جو کچھ ہے منہ سے ہمارے عیاں اب  
 برسوں ہوئے گئے ہوئے پر بھولتا نہیں  
 یادش بخیر تیرے خوش جہاں ہے اب

سوزش بہت ہو دل میں تو آنسو کو پی نہ جا  
 کرتا ہے کام آگ کا ایسی حلن میں اب  
 دیکھو تو کس روانی سے کہتے ہیں شعر میر  
 دُور سے ہزار چند ہے ان کے سخن میں اب

جیسا مزاج آگے تھا میرا سو کب ہے اب  
 ہر روز دل کو سوز ہے ہر شب کو شب ہے اب  
 طاقت کہ جس سے تاب جفا تھی سو ہو چکی  
 تھوڑی سی کوفت میں بھی بہت سائق ہے اب  
 نے چاہ وہ اُسے ہے نہ محکوم ہے وہ دماغ  
 جانا مرا اُدھر کو بشرطِ طلب ہے اب  
 جاتا ہوں دن کو ملنے تو کہتا ہے دن ہے میر



جو شرب کو جائے تو کہے ہے کہ شرب ہے اب

عشاق کے تئیں ہے عجز و نیاز و اجب  
 ہے فرض عین رونما دل کا کداز و اجب  
 ناسازی طبیعت ایسی پھر اُس کے اوپر  
 ہے ہر کسوئے محکوم چار ساز و اجب  
 صرفہ نہیں ہے مطلق جان عزیز کا بھی  
 اسے تیرے تجھ سے ظالم ہے احترام و اجب

اس غم برق جلوہ کی فرصت بہت ہے کم  
 جو کام پیش آوے تجھے اُس میں ہوشیاری  
 غفلت سے ہے غرور تجھے ورنہ ہے بھی کچھ  
 یاں وہ سماں ہے جیسے کہ دیکھے ہے کوئی خواب  
 یہ بستیاں اُڑنے کے کہیں بستیاں بھی ہیں!  
 دل ہو گیا خراب جہاں بس رہا خراب  
 بیتابیاں بھری ہیں مگر کوٹ کوٹ کر  
 خرقے میں جیسے برق ہمارے ہے اضطراب



کاش اُس کے رُو برو نہ کریں بھگو حشر میں!  
 کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب  
 گزرے ہے تیر لوٹتے دن رات آگ میں  
 ہے سوزِ دل سے زندگی اپنی ہمیں عذاب

موت تم سو ہے کیا صاحب      ہم بُرے ہی سہی بھلا صاحب  
 نے سن شعر تیر یہ نہ کہا      کہیو پھر ہاے کیا کہا صاحب

ہزاروں خواہش مرنے مرنے سے نکال دے  
 قیامت جی پہ ہے ویاہ کوٹک عام کرے اب  
 بلا آشوب کھاگو جان پر آغازِ اُلفت میں  
 ہوا سو تو ہوا اندیشہ انجام کرے اب  
 زبانِ خامہ کے ہلتے ہزاروں اشک گرتے ہیں  
 حقیقت اپنے دل کی آہ کیا ارقام کرے اب

کچھ قدریں نہ جانی غفلت سے رفتگاں کی  
 آنکھیں سی کھل گئیں جب وصیتیں ہوئیں خواب



تھی چشم یہ رُکے گا بلکوں سے گر یہ لیکن  
ہوتی ہے بند کوئی تنکوں سے راہ سیلاب

ق

تو بھی تو مغلط ہو سبزے میں ہم سے ساقی  
لے کر بغل میں اپنی مینائے بادۂ ناب  
نکلی ہیں ابکے کلیاں اس رنگ سے چمن میں  
سر جوڑ جوڑ جیسے مل بیٹھتے ہیں احباب  
کیا لعل لب کسو کے اے تیر چہ چڑھے ہیں  
چہرے پہ تیرے ہر دم بہتا ہے خوناب



## روایات

دیر کچھ کھنچتی تو کہتے بھی ملاقات کی بات  
 ملنا اپنا جو ہوا اُس سے سو وہ بات کی بات  
 گفتگو شاہروئی سے ہے نہ غیبت نہ گلہ  
 خانقہ کی سی نہیں بات خرابات کی بات  
 سُنہ ادھر، اُوڑ سخن زیرِ بی غیر کے ساتھ  
 اُس فریبندہ کی ناگفتنی ہے گھات کی بات  
 یہ کس آشفتہ کی جمعیتِ دل تھی منظور  
 بالِ بچرے ترے سُنہ پرکھے ہیں رات کی بات  
 گفتگو و صفوں سے اُس ماہ کے کرے اے تیر  
 کاشش افزا ہے کروں اُس کی اگر ذات کی بات

ہم تم سے چشم رکھتے تھے وادریاں بہت  
 سوالتفات کم ہے، دل آزاریاں بہت  
 دیکھیں تو کیا دکھائے یہ افراطِ اشتیاق



لگتی ہیں تیری آنکھیں ہمیں پیاریاں بہت

دیکھ خانی جا کہیں گے برسوں اہل روزگار  
میر اکثر دل کا قصہ یاں کہا کرتا تھا رات

سنگل نے سچر جھکا کے اٹھا یا نہ شرم سے  
گلزار میں چلی تھی کہیں اُس کے رُو کی بات  
ہم سوختوں میں آتش سرکش کا ذکر کیا  
چل بھی پڑی ہے بات تو اُس تند خو کی بات

پوں بار گل سے ابکے جھکے ہیں نہال باغ  
جھک جھک کے جیسے کرتے ہیں دو چار بار

ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یار و پرانی بات  
پر ہم سے تو تھمی نہ کبھو منہ پر آئی بات  
کہتے تھے اُس سے یلے تو کیا کیا نہ کہیے لیک  
وہ آگیا تو سامنے اُس کے نہ آئی بات



ابا تو ہوئے ہیں ہم بھی ترے ڈھب سے آشنا  
 واں تو نے کچھ کہا کہ ادھر ہم نے پانی بات  
 عالم سیا و خانہ ہے کس کا کہ روز و شب  
 یہ شور ہے کہ دیتی نہیں کچھ سنائی بات  
 اک دن کہا تھا یہ کہ خموشی میں ہے وقار  
 سو مجھ سے ہی سخن نہیں میں جو بتائی بات  
 اب مجھ ضعیف و زار کو مت کچھ کہا کرو  
 جانی نہیں ہے مجھ سے کسی کی اٹھائی بات  
 خط لکھتے لکھتے تیرے دفتر کیے، واں  
 افرادِ اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

مستی میں شرم گنہ سے سین جو، ویا ڈاڑھا،  
 گر بڑا، بخود ہو و اعظا جموعہ کو منبر سمیت

دل کی ویسی ہے خرابی کثرتِ اندوہ سے  
 جیسے رو پڑتا ہے دشمن کا کہیں لشکر ہت  
 دیکھ، روئے زرد پر میرے بھی آنسو کی ڈھلک



اے کہ تو نے دیکھی ہے غلطانی گو ہر مہبت

ملا مت گز نہ کر مج کو ملا مت  
 بہت رونے نے رسوا کر دکھایا  
 جلے گواؤں تو اتنا جلا مت  
 نہ چاہت کی چھپی ہم سے علا مت



## دلیف: ج

آگ سا تو جو ہوا اے گل تر آن کے بیچ  
صبح کی باد نے کیا پھونک دیا کان کے بیچ  
ہم نہ کہتے تھے کہیں زلف کہیں رخ نہ دکھا  
اختلاف آیا نہ ہندو و مسلمان کے بیچ  
باوجود ملکیت نہ ملک میں یا یا  
وہ تقدس کہ جو ہے حضرت انسان کے بیچ  
وے پھری پکیں اگر کھوب گئیں جی میں تو وہیں  
رخنے پڑ جائیں گے واعظ تھے ایمان کے بیچ  
میر نہانی کا کب اے میر چلا عشق میں کام  
کچھ تعجب کھینچنے کو تاب تو ہو جان کے بیچ

سرسری مٹ جہاں سے جا غافل  
پاؤں تیرا پڑے جہاں ٹک سوچ  
ہونٹ اپنا ہلا نہ سمجھے بن



یعنی جب کھولے تو زباں ٹک سوچ  
گل و رنگ و بہار پڑے ہیں  
ہر عیاں میں ہے وہ نہاں ٹک سوچ

کنعاں سے جا کے مصر میں یوسفؑ ہو عزیز  
عزت کس کی ہوتی نہیں ہے وطن کے بیچ  
بلبل خموش، لالہ و گل دونوں نرد نرد  
شمشاد نحو، بے کلی اک نشترن کے بیچ  
کل ہم بھی سیرِ باغ میں تھے ساتھ پار کے  
دیکھا تو اور رنگ ہے سائے چمن کے بیچ

ق

یا ساتھ غیر کے ہے تمہیں ویسی بات چیت  
سو سو طرح کے لطف ہیں ایک اک سخن کے بیچ  
یا پاس میرے لگتی ہے چپ ایسی آن کر  
گویا زباں نہیں ہے تمہارے دہن کے بیچ  
فرہاد و قیس و تیر یہ آوارگانِ عشق  
یوں ہی گئے ہیں سب کی رہی من کی من کے بیچ



تو بہ صد بار کہشتی میں پروڈا لے ہیں  
 دانے بیج کے میں رشتہ زُتار کے بیج

---



## دلیف : ح

آنے کی اپنے کیا کہیں اس گلستاں کی طرح  
 ہر کام پر تلف ہوئے آبِ رواں کی طرح  
 یہ شورِ دل خراش کب اُٹھتا تھا باغ میں  
 سیکھی ہے عندلیب نے ہم سے فغاں کی طرح  
 نقشہ الہی دل کا مرے کون لے گیا  
 کہتے ہیں ساری عرش میں ہے اس کاں کی طرح  
 لگ کر گلے سے اُس کے بہت میں بکا کیا  
 ملتی تھی سروِ باغ میں کچھ اُس جواں کی طرح  
 جو کچھ نہیں تو بجلی ہی سے پھول پڑ گیا  
 ڈالی حین میں ہم نے اگر آشیاں کی طرح

دورِ گردوں سے ہوئی کچھ اُڑ مچلنے کی طرح  
 بھرنے آویں کیونکے آنکھیں میری پیانے کی طرح  
 چشمکِ انجم میں اتنی دل کشتی پہلے نہ تھی



سیکھ لی تاروں نے اُس کی آنکھ جھپکانے کی طرح  
 جان کا صدف نہیں ہے کچھ تجھے کڑھنے میں میر  
 غم کوئی کھاتا ہے میری جان غم کھانے کی طرح

---



## رویف :- د

اب دیکھنے میں پیارے ٹمک تو بڑھا عنایت  
 کوتاہ تر ملک سے ایدھر نگاہ تاچند  
 عمر عزیز ساری منت ہی کرتے گزری  
 بے جرم آہ رہیے، یوں کُندرخواہ تاچند

جھپن اے نو بہار کے مانند	چاک ہے دل انار کے مانند
پہنچی شاید جگر تک آتش عشق	اشک ہیں سب شرار کے مانند
کوئی نکلے کلی تو لالہ کی	اس دل داغدار کے مانند
برق ترپنی بہت ولے نہ ہوئی	اس دل بے قرار کے مانند
اُس کی سرتیز ہر ملک ہے تیر	خنجر آبدار کے مانند

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری۔  
 اپنی بھی وفا یاد ہے اُس کی بھی جفا یاد  
 کہے تو گئے بھول کے ہم دُور کا رشتہ



آتا تھا ولے راہ میں ہر گام خدا یاد

اسیر کر کے نہ لی تو نے تو خبر صیاد  
اڈا کیے مرے پر کاڑجگر صیاد  
چمن کی یاد کے آتے خبر نہ اتنی رہی  
کہ میں کہہ رہوں قفس ہے کہہ رہا کہہ رہا صیاد  
اسیر تمیر نہ ہوتے، اگر نہ باں رہتی  
ہوئی ہماری یہ خوش خوانی سحر صیاد

ب پریشاں دلی میں شب گری  
خبر ہوتی تو نہ ہوتی خبر  
ہو آنکھوں میں اب نہیں آتا  
بال اُس کے بکھر گئے شاید  
صوفیاں بے خبر گئے شاید  
زخم سب دل کے بھر گئے شاید

دانی کے حالات میں کیا کہوں  
اکو ہن بے ستوں کھود کر  
ظہر تمیر نے کیسی حسرت سے کی  
قیامت تھی ایک ایک ساعت کے بعد  
یہ راحت ہوئی ایسی محنت کے بعد  
بہت روئے ہم اُس کی نصبت کے بعد



## رویف۔

رفتار میں یہ شوخی و رحم اے جواں زمیں پر  
 لاتا ہے تازہ آفت تو ہر زمانہ زمیں پر  
 آنکھیں لگی رہیں گی برسوں وہیں سمجھوں کی  
 ہو گا قدم کا تیرے جس جاں نساں زمیں پر  
 آتا نہ تھا فرو ستر کل جن کا آسماں سے  
 ہیں ٹھوکروں میں اُن کے آج استخزاں زمیں پر  
 جو کوئی یاں سے گزرا کیا آپ سے نہ گزرا  
 پانی رہا کب اتنا ہو کر رواں زمیں پر  
 پھر بھی اٹھالی سر پر تم نے زمیں سب آ کر  
 کیا کیا ہوا تمھارے سے کچھ آگے یاں زمیں پر  
 کچھ بھی مناسب ہے یاں عجز واں تکبر  
 وے آسمان پر ہیں میں ناتواں زمیں پر  
 پست و بلند یاں کا ہے اور ہی طرف سے  
 اپنی نظر نہیں ہے کچھ آسماں زمیں پر



قصرِ جباں تو ہم نے دیکھا نہیں جو کیسے  
شاید نہ ہووے دل سا کوئی مکاں زمیں پر  
یاں خاک سے اُنھوں کی لوگوں نے گھر بنائے  
آثار ہیں جنھوں کے اب تک یہاں زمیں پر  
کیا سر جھکا رہے ہو تیرا اس غزل کو سن کر  
بارے نظر کر وٹک اے مہرباں زمیں پر

کیا کیا نہ ہم نے کھینچے آزار تیری خاطر  
اب ہو گئے ہیں آخر ہمارا تیری خاطر

## غزل قطعہ بند

اے صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گزار  
کہیو ہم صحرا نورِ دوں کا تمام حال گزار  
خاکِ دہلی سے جدا ہم کو کیا یکبارگی  
آسماں کو کھتی کدورت سونکا لایوں غبار  
منصبِ بلیل غزل خوانی تھا سو تو ہے اسیر  
شاعریِ زاغ و زغن کا کیوں نہ ہووے اب شاعر



طائر خوش زمرہ کنجِ قفس میں ہے خوش  
 چھپے چڑیاں کرے ہیں سخن گلشن میں ہزار  
 برگ گل سے بھی کیا نہ ایک نے ٹھک ہم کو یاد  
 نامہ و پیغام و پرستش بے مراتب در کنار  
 بے خلش کیونکر نہ ہوں گرم سخن گلزار میں  
 ہیں قفس میں ہوں کہ میرا اتحاد لوں میں خارخا  
 بلبل خوش لہجہ کے جانے پہ گو غوغائیاں  
 طرح غوغا کی چمن میں ڈالیں پر کیا اعتبار  
 طائرانِ خوش لب و لہجہ نہیں رہتے چھپے  
 شور سے اُن کے بھرے ہیں قریہ و شہر و دیار  
 شہر کے کیا ایک دو کوچوں ہی میں شہرت ہی  
 شہروں شہروں ملکوں ملکوں ہے اُنہوں کا شہر  
 کیا کہوں سوئے چمن ہوتا جو میں سرگرم گشت  
 پھول گل جب کھلنے لگتے جوشِ زن ہونی بہار  
 شور سن سن کر غزل خوانی کا میسر ہی ہر صغیر  
 غنی ہو آتے جو ہوتا آب و رنگِ شاخسار  
 خوشنوائی کا جھیس دعویٰ تھا رہ جاتے خوش



جن کو میں کرتا مخاطب اُن کو ہوتا افتخار  
 بعضوں کو رشک قبول خاطر و لطف سخن  
 بعضوں کا سینہ فگار و بعضوں کا دل داغدار  
 ایک کے ہونٹوں کے اوپر آفریں استاد تھا  
 ایک کہتا تھا رسوخ دل ہے اپنا استوار  
 ربط کا دعویٰ تھا جن کو کہتے تھے مخلص ہیں ہم  
 جانتے ہیں ذاتِ سامی ہی کو ہم سب خاکسار  
 نقل کرے کیا یہ صحبت منعقد جب ہوتی بزم  
 بیٹھ کر کہتے تھے منہ پر میرے بعضے بعضے یار  
 بندگی ہے خدمتِ عالی میں ہم کو دیر سے  
 گر رکھی ہے جان اپنی ہم نے حضرت پر نثار  
 سو نہ خطا اُن کا نہ کوئی پرچہ پہنچا مجھ تلک  
 واہ واہ یہ رابطہ رحمت ہے یہ اخلاص و پیا  
 رفتہ رفتہ ہو گئیں آنکھیں مری دونوں سفید  
 بسکہ نامے کا کیا یاروں کے میں نے منتظار  
 لکھتے گرد و حرفِ لطف آمیز بعد از چند روز  
 تو بھی ہوتا اس دلِ بے تاب و طاقت کو قرا



سو تو یک نوشتہ کاغذ بھی نہ آیا میرے پاس  
 اُن ہم آوازوں سے جن کا میں کیا ربط آشکا  
 خط کتابت سے یہ کہتے تھے نہ بھولیں گے تجھے  
 آویں گے گھر بار کی تیرے خبر کو بار بار  
 جب گیا میں یاد سے تب کس کا گھر کا ہے کا پاس  
 آفریں صد آفریں اے مردمانِ روزگار  
 اب بیاباں دربیاباں ہے مرا شورِ فغاں  
 گوچن میں خوش کی تم نے میری جائے نالہ زرا  
 ہے مثل مشہور یہ عمرِ سفر کوتاہ ہے  
 طالعِ برگشتہ بھی اب کرتے ہیں ادا و کار  
 اک پر افشانی میں پھر ہے یہ وطن گلزار سا  
 سامعوں کی چھاتیاں نالوں سے ہوویں گی فکا  
 منہ پر آویں گے سخن آلودہ خونِ جگر  
 کیونکہ یارانِ زماں سے چاک ہنے ل جو انا  
 دل سے لے کر تادہن ہیں خوچکاں شو کوے بھرے  
 لیک ہے اظہارِ ہر ناکس سے اپنا ننگ و عا  
 جیب بھلی کو تلخ کامی کھینچن اس میں بیڑے



بیت بختی طبع نازک پر ہے اپنی ناگوار  
 آج سے کچھ بے حسابی جو رکُنِ مروم نہیں  
 اُن سے اہل دل سدا کھینچے ہیں رنج بے شمار  
 بس قلم رکھ ہاتھ سے جانے بھی دے یہ حرفِ تیر  
 کاہ کے چاہے نہیں کھسار ہوتے بے وقار  
 کام کے جو لوگ صاحب فن ہیں سو محسوس ہیں  
 بے تہی کرتے رہیں گے حاسدانِ ناپکار

آغشتہ خونِ دل سے سخنِ ٹھٹھے زبان پر  
 رکھے نہ تم نے کان ٹکاس داستان پر  
 کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز  
 آیا ہے اب مزاجِ ترا امتحان پر  
 دیکھنا نہ ہم نے چھوٹ میں یا قوت کی کھجور  
 تھا جو سماں لبوں کے ترے رنگِ پان پر  
 کیا رہو ان راہِ محبت میں طرفہ لوگ  
 انخماز کرتے جاتے ہیں جی کے زبیاں پر  
 موندوں کر د کچھ اور بھی شاید کہ تیر جی



د جاے کوئی بات کسو کی زبان پر

کس پر تھے بے دماغ کہ ابرو بہت ہے خم  
کچھ زور سا پر ا ہے کہیں اس کمان پر  
کنفیدتیں ہزار ہیں اُس کام جاں کے بیچ  
دیتے ہیں لوگ جان تو ایک ایک آن پر  
دامن میں آج میر کے ذراغ شراب ہے  
تھا اعتماد ہم کو بہت اس جوان پر

مٹ آنکھ ہمیں دیکھ کے یوں مار دیا کر  
غمزے ہیں بڑا ان کو نہ سنکار دیا کر  
آئینے کی مشہور پریشاں نظر ہی ہے  
تو سادہ ہے ایسوں کو نہ دیدار دیا کر  
کیوں آنکھوں میں تو سرے کا دُنبال رکھے ہے  
مٹ ہاتھ میں ان مستوں کے تلوار دیا کر  
کچھ خوب نہیں اتنا ستانا بھی کسو کا  
ہے میر فقیر اُس کو نہ آزار دیا کر



طاقت نہیں رہے جان میں گرھنا تعب ہے اور  
 بے لطفیاں کرو ہو یہ بس پر غضب ہے اور  
 کیا بات تیری اے ہمہ عیاری و فریب  
 آنکھیں کہیں ہیں اور سخن زیر لب ہے اور  
 اسباب مرگ کے تو مہیا ہیں سارے میر  
 شاید کہ زندگانی کا اپنی سبب ہے اور

آہمنشیں کسو کے مت عشق کی ہو س کر  
 جاتی ہیں یوں ہی ناداں جاہل ترس ترس کے  
 اس قافلے میں کوئی دل آشنا نہیں ہے  
 ٹکڑے گلے کے اپنے ناحق نہ اے جس کر

تدبیر و دستوں کی مجھے نفع کیا کرے  
 بیماری اور کچھ ہے کرے ہیں دوا کچھ اور  
 مستان عشق و اہل خرابات میں ہے فوق  
 میخوارگی کچھ اور ہے یہ ہے نشا کچھ اور  
 صورت پرست ہوتے نہیں معنی آشنا



ہے عشق سے بتوں کے مراد غا کچھ اور  
مرنے پہ جان دیتے ہیں وارفتگانِ عشق  
ہے تیرا راہ و رسم دیا و وفا کچھ اور

نئے طور سے نکالے ڈھب اور  
مگر اور تھے تب ہوئے ہواب اور  
ادا کچھ ہے، انداز کچھ، ناز کچھ  
تیرے دل ہے کچھ اور، زیرِ لب اور  
نہ گرمی، نہ جوشش، نہ اب وہ تپاک  
تکلف نہیں اس میں تھے تم تب اور

ٹمک سامنے ہوا کہ نہ ایماں نہ دین و دل  
کافر کو بھی نہ اس سے اتنی دوچار کر  
جاشوق پر، نہ جانتن زار و نزار پر  
اے ترکِ صید پیشہ ہمیں بھی شکار کر  
مرتے ہیں تیرے سب پہ نہ اس سبکی کے ساتھ  
ہاتھ میں تیرے کوئی نہ رو یا پکار کر



جنوں میں اب کی کام آتی نہ کچھ تدبیر بھی آخر  
 نئی کل ٹوٹ میرے پاؤں کی زنجیر بھی آخر  
 اگر ساکت ہیں ہم حیرت سے پر ہیں دیکھنے قبا  
 کہ اک عالم رکھے ہے عالم تصویر بھی آخر  
 نہ دیکھی ایک داشتہ اپنے دل کی اس گلستاں میں  
 کھلے پائے ہزاروں غنچے دلگیر بھی آخر  
 سروکار آہ کب تک خامہ و کاغذ سے یوں رکھے  
 رکھے ہے انتہا احوال کی تحریر بھی آخر  
 پھر سے ہے پاؤں لا سا پیچھے ان شہری نزالوں کے  
 بیاباں مرگ ہو گا اس چلن سے تیر بھی آخر

اُس گوہر مراد کو پایا نہ ہم نے تیر  
 پایا نہ کار مرگے یوں خاک چھان کر

مجاو قفس میں سنبل و ریحاں کی کیا خبر  
 کہ اے نسیم صبح گلستاں کی کیا خبر  
 رہتا ہے ایک نشہ انھیں جن کو ہے شناخت



ہے زاہدوں کو مستی عرفاں کی کیا خبر

---

تھی جب ملک جوانی رنج و تعب اٹھائے  
اب کیا ہے تیر جی میں ترکِ شمری کر

---



## دلیف : ز

اُس شوخ نے سنا نہیں نامِ صبا ہنوز  
 غنچ ہے وہ لگی نہیں اُس کو ہوا ہنوز

مدّت سے ترکِ عشق کیا تیرے دے  
 زار و زبون و زرد ہے بیمار سا ہنوز



## دیف بس

قیامت ہے کہ اے سرمایہ جاں نہ ہوٹے وقت مرنے کے بھی تو پاس

درد مندوں سے تمہیں دُور پھرا کرتے ہو  
 پوچھنے ورنہ کبھی آتے ہیں بیمار کے پاس  
 داغ ہوتا نظر آتا ہے دلوں کا آخر  
 وہ جواک خال پڑا ہے ترے رُخسار کے پاس

آلو وہ کر نہ ہستی سے جائے کو جسم کے  
 ہُشیار رہ یہ غارِ یتی ہے لباس پاس



## دو یفابہ شش

گل کو ہوتا صبا قرار اے کاش  
 رہتی ایک آدھ دن بہار اے کاش  
 جان آخر تو جانے والی تھی  
 اُسپہ کی ہوتی میں نثار اے کاش  
 اس میں راہ سخن نکلتی تھی  
 شعر ہوتا ترا شعرا اے کاش  
 شمش جہت اب تو تنگ ہے ہم پر  
 اُس سے ہوتے نہ ہم دو چار اے کاش  
 بے اجل میرا اب پڑا مرنا  
 عشق کرتے نہ اختیار اے کاش

کیا کہیے کیا رکھے ہیں ہم تجھ سے یا ر خواہش  
 یک جان و صد تمنا یک دل ہزار خواہش  
 اٹھتی ہے موج ہر اک آغوش ہی کی صورت



دریا کو ہے یہ کس کا بوس و کنار خواہش  
 صدرنگ جلوہ گر ہے ہر جا وہ غیر تگل  
 عاشق کی ایک پاؤں کے کیونکر قرار خواہش

---

لعل خموش را بنے دیکھو ہو آرسی میں  
 بھر پوچھتے ہو ہنس کر بھجے نوا کی خواہش

---



## ردیف: ط

عشق کی رو نہ چل خبر ہے شرط  
 اولِ گام ترکِ سر ہے شرط  
 دعوے عشق یوں نہیں صادق  
 زردی رنگ و چشم تر ہے شرط  
 خامی جاتی ہے کوئی گھر بیٹھے  
 بختِ کاری کے تئیں سفر ہے شرط  
 دل کا دینا ہے سہل کیا اے میر  
 عاشقی کرنے کو جگر ہے شرط

کس طور اتفاق پڑے صحبت اُس سے دیر  
 ہے تیرے دماغ و قیامت کم اختلاط



## دیف بع

اُس کے ہونے بزم میں، فانوس میں آتی ہے شمع  
یعنی اُس آتش کے پرکالے سے شرما تی ہے شمع



## ردیف: غ

دل کی گرہ میں غنچہ لالہ کے رنگ تیر  
سوزِ دروں سے کچھ نہیں ہے اب سوائے داغ



## ردیف ف

میلانِ دل ہے زلفِ سیہ فام کی طرف  
جاتا ہے صیدِ آپ سے اس دام کی طرف



## رولف برق

اے رشکِ برق تجھ سے مشکل ہے کارِ عا  
 اک جھمکی میں کہاں پھر صبر و قرارِ عاشق  
 خاکِ سیر سے یکساں تیرے لیے ہوا ہے  
 تو بھی تو ایک شب ہو شمعِ مزارِ عاشق  
 دل خواہ کوئی دہر ملتا تو دل کو دیتے  
 گر چاہنے میں ہوتا کچھ اختیارِ عاشق  
 کیا جانے محو جو ہوا اپنے ہی رُود و مو کا  
 گزرے ہے کس طرح سے لیل و نہارِ عاشق  
 خوارِ ی کا اپنی موجب ہے اضطرابِ ہر دم  
 دل سمجھے تو رہے بھی کچھ اعتبارِ عاشق  
 اس پر دے میں غمِ دل کہتا ہے میرا پنا  
 کیا شعر و شاعری ہے یار و شعارِ عاشق



کیا کہوں تم سے میں کہ کیا ہے عشق  
 جان کا روگ ہے، بلا ہے عشق  
 عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو  
 سارے عالم میں بھرا ہے عشق  
 عشق معشوق، عشق عاشق ہے  
 یعنی اپنا ہی ہوتا ہے عشق  
 عشق ہے طرز و طور عشق کے تئیں  
 کہیں بندہ کہیں خدا ہے عشق  
 دل کش ایسا کہاں ہے دشمن جاں  
 مدعی ہے، یہ مدعا ہے عشق  
 ہے ہمارے بھی طور کا عاشق  
 جس کسو کو کہیں ہوا ہے عشق  
 کوئی خواہاں نہیں مجتہد کا  
 تو کہے جنس ناروا ہے عشق  
 میر جی زرد ہوئے جاتے ہو  
 کیا کہیں تم نے بھی کیا ہے عشق



## رویف: ک

برسوں ہوئے کہ جان سے جاتی نہیں خلش  
ٹک ہل گئی تھی آگے مرے وہ پھری پلک

عزت اپنی اب نہیں ہے پار کو منظور ٹک  
پاس جانا ہوں تو کہتا ہے کہ بیٹھو دور ٹک

جو آرزو کی اُس سے سودل میں ہی توں ہوئی  
نومید یوں بسر کرے کوئی کہاں ٹک  
بلبل قفس میں اس لب و لہجہ پہ یہ فغاں  
آواز ایک ہو رہی ہے گلستاں ٹک

دل تنگ ہو جیے تو نہ پیسے کسو کے ساتھ  
ہوتے ہیں ایسے وقت میں یہ لوگ کم شریک



ہم گرے اُس کے درہی پر مرک  
خاک ہی میں ملائے رکھتے ہو  
سب موے ابتدائے عشق ہی میں  
تربت میر پہلے تم دید

اور کوئی کرے وفا کیا خاک  
ہو کوئی تم سے آشنا کیا خاک  
ہو وے معلوم انتہا کیا خاک  
اتنی مدت میں واں رہا کیا خاک

بے گدازِ دل نہیں امکانِ رونا اس قدر  
نہ کو پہنچو خوب تو پردا ہے چشمِ گریہ ناک

تو خونچکاں گلے ہیں دل سے مری ہواں تک  
جی رندہ گیا ہے ظالم اب رحم کر کہاں تک  
ہونا جہاں کا اپنی آنکھوں میں ہے نہ ہونا  
آنا نظر نہیں کچھ جاوے نظر جہاں تک

مجھے نہیں کیسی کہ مانندِ نجس  
دنغ اور دل ہیں بھر اسیمہ دونوں

کھلی رہتی ہیں میری آنکھیں سحر تک  
سر زخم شاید کہ پہنچا جگر تک



## دولیف بک

غافل ہیں ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ  
 حالانکہ رفتی ہیں سب اس کارواں کے لوگ  
 مرنے ہیں اُس کے واسطے یوں تو بہت دے  
 کم آشنا ہیں طور سے اُس کام جاں کے لوگ  
 پتے کو اس چمن کے نہیں دیکھتے ہیں گرم  
 جو محرم روش ہیں کچھ اُس بدگماں کے لوگ  
 فردوس کو بھی آنکھ اٹھا دیکھتے نہیں  
 کس درجہ سیر چشم ہیں کوئے بُتاں کے لوگ  
 کیا سہل جی سے ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں ہاے  
 یہ عشق پیشیاں ہیں الہی کہاں کے لوگ  
 منہ تکے ہی ہے ہیں سدا مجلسوں کے بیچ  
 گویا کہ تیر مجھ ہیں میری زباں کے لوگ

افسرو کی سوختہ جاناں ہے قہر تیر



دامن کو ٹمک ہلا کر جگر کی بجھی ہے آگ

بے آگ کا سانا لڑکا ہش فزا کا رنگ  
 کچھ اوز، صبح دم سے ہوا ہے ہوا کا رنگ  
 دیکھے ادھر تو کچھ سے نہ بوں آنکھ وہ چھپاے  
 ظاہر ہے میرے منہ سے مرے مدعا کا رنگ  
 کس بے گنہ کے خوں میں ترا پڑ گیا ہے پاؤں  
 ہوتا نہیں ہے سرخ تو ایسا خا کا رنگ  
 بے گشتہ رنگی خورشید کیا عجب  
 ہوتا ہے زرد و بیشتر اہل فنا کا رنگ  
 گل پہرہن نہ چاک کریں کیونکے رشک سے  
 کس مرنے میں شوخ ہے اس کی قبا کا رنگ  
 پوچھے ہیں دہر گر پتہ خویش جو مجھ سے لوگ  
 کیا دیکھتے نہیں ہیں سب اس بے وفا کا رنگ  
 معذرت تک نہ کرے مرے خوں سے پار تیر  
 غیروں سے کہا گل ہے یہ ہے آشنا کا رنگ



وہ مرگ سے کیوں ڈرتے ہیں لوگ  
 بہت اُس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ  
 مظاہر سب اُس کے ہیں ظاہر ہے وہ  
 تکلف ہے یاں جو چھپاتے ہیں لوگ  
 رہے ہم تو کھوئے گئے سے سدا  
 کبھو آپ میں ہم کو پاتے ہیں لوگ  
 اُن آنکھوں کے بیجا رہیں تیر ہم  
 بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ

---



## رویفیل

مار بھی آسان ہے، دُشنام سہل  
یار اگر ہے اہل تو ہے کام سہل

ہے تیرہ یہ بیاباں گرد و غبار سے سب  
دے راہ کب دکھائی بے رہنما خے دل  
اندوہ و غم سے اکثر رہا ہوں میں مکدر  
کیا خاک میں ملی ہے میری صفائے دل

مذت تو وا ہوا ہی نہیں غنچہ وار دل  
اب جو کھلا تو جیسے گل بے بہار دل  
وہ کون سی اُمید برآئی ہے عشق میں  
رہتا ہے کس اُمید پر اُمید وار دل  
داخل یہ اضطراب تنگ آہوں میں ہے  
رکھتی نہیں ہے برق ہی کچھ بے قرار دل



ہم سے جو عشق کُشتہ جمیں تو عجب ہے تیر  
چھانی ہے داغ، ٹکڑے جگر کے، فگار دل

ہند نے جامِ بادہ بر کف      محمد اسد کھلا عقدِ انامل  
پہنچے تو پہنچے آپ ہم تک      نہ یاں طالع رسا نے جذبِ کامل  
ل عشق کی سختی سے ویراں      ملائم چاہیے تھا یاں کا عامل



## ردیف بم

کچھ نہ پوچھو بہک رہے ہیں ہم  
 عشق کی مٹی سے جھٹک رہے ہیں ہم  
 وقفہ مرگ اب ضرور ہی ہے  
 راہِ طیٰ کرنے تک رہے ہیں ہم  
 کون پہنچے ہے بات کی نہ کو  
 ایک مدت سے بک رہے ہیں ہم

ہے تیرے دل بنوں کا کیا معلوم	نکلے پردے سے کیا خدا معلوم
ہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہے	سو بھی اک علم میں ہوا معلوم
گرچہ تو ہی ہے سب جگہ لیکن	ہم کو تیری نہیں ہے جا معلوم
ان سیہ چشم دلبروں سے ہمیں	تمہی وفا چشم، سو وفا معلوم

مجھے تو دُور سے اک اُنس ہے وفا کی قسم  
 ہی سبب ہے جو کھاتی ہے میں دوا کی قسم



فقیر ہونے نے سب اعتبار کھو یا ہے  
قسم جو کھاؤں تو کہتے ہیں کیا گدا کی قسم

مطلق نہیں گنجائش اب جو صلے میں اپنے  
آزار کوئی کھینچے یوں کب تئیں، بس ظالم  
سرِ رشتہ ہستی کو ہم دے چکے ہاتھوں سے  
کچھ ٹوٹے ہی جاتے ہیں اب تارِ نفس ظالم

تربت سے ہماری نہ اٹھی گرد بھی اے تیر  
جی سے گئے لیکن نہ کیا ترکِ ادب ہم

اب چھیڑے جہاں وہیں گویا ہے دروب  
پھوڑا سا ہو گیا ہے ترے غم میں تن تمام  
اک گل زمیں نہ وقفے کے قابل نظر پڑی  
دیکھا ہر نگِ آبِ رواں یہ چمن تمام

بحثِ سہ کی انتہی کس سے چال ہم



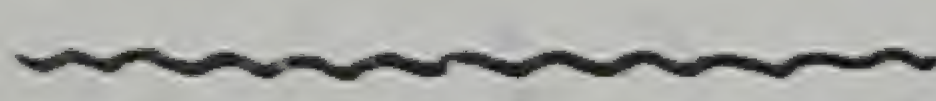
ہندی لگی قدم سے ہو سے پائمال ہم



کون کہتا ہے منہ کو کھولو تم      کا شکے پر دے ہی میں بولو تم  
رات گزری ہے سب ٹپتے تیر      آنکھ لگ جائے ٹک تو بولو تم



موے جاتے تھے فرطِ اُلفت سے ہم  
جیے ہیں خدا ہی کی قدرت سے ہم  
جو دیکھو وہ قامت تو معلوم ہو  
کہ رُکش ہوئے ہیں قیامت سے ہم  
نہ مانی کوئی بات پھر رُوٹھ کر  
منائے رہے راتِ منت سے ہم  
خدا سے بھی شب کو دعا مانگتے  
نہ اس کا لیا نامِ غیرت سے ہم



یہ شوق صید ہونے کا دیکھو کہ آپ کو  
دکھلایا صید گے میں یسا وہیں سے ہم





## رویفان

بدعی مجلو کھڑے صاف بُرا کہتے ہیں  
 چھلکے تم سُنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں  
 دیکھے خواباں کے بجادل نہیں رہتا ہرگز  
 لوگ جو کچھ انھیں کہتے ہیں بجا کہتے ہیں  
 حُسن تو ہے ہی کرو لطفِ زباں بھی پیدا  
 میر کو دیکھو کہ سب لوگ بھلا کہتے ہیں

اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے پاں سدا  
 مشفق کوئی نہیں ہے کوئی مہرباں نہیں  
 ہے عشق ہی سے چار طرف بحث کو گفتگو  
 شور اس بلائے جاں کا جہاں میں کہاں نہیں  
 اس عہد کو نہ جانے اگلا سا عہد میر  
 وہ دُور اب نہیں وہ زمیں آسماں نہیں



نہ نکلا دوسرا ویسا جہاں میں      وہی اک جنس ہے اس کا واپس  
 کیا منہ بند سب کا بات کہتے      ملا کچھ سحر ہے اُس کی زباں میں  
 نیا آنا فنا اس کو دیکھا      جدا کتنی شان اُس کی ہرماں میں  
 کوئی بجلی کا مکڑا اب تک بھی      پڑا ہو گا ہمارے آشیان میں

نہیں تبحال لعلِ دلربا میں      گھر پھنچا بہم آبِ بقا میں  
 غریبانہ کوئی شبِ روزِ کرباں      ہمیشہ کون رہتا ہے سرا میں  
 اٹھاتے ہاتھ کیوں نو مید ہو کر      اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں  
 کہے ہے ہر کوئی اللہ میرا      عجب نسبت ہے بندے اور خدا میں  
 بلاتے دارِ بحرِ عشق نکلا      کہ ہم نے انتہا کی ابتدا میں  
 ملے پرسوں وہی بیگانہ ہے وہ      ہنر ہے یہ ہمارے آشنا میں  
 اگرچہ خشک ہیں جیسے پر کاہ      اُڑے ہیں تیر جی لیکن ہوا میں

یوسف عزیزِ دلما جا مصر میں ہوا تھا  
 پاکیزہ گوہروں کی عزت نہیں وطن میں

کرنے لیے بال دکھلانے ترے مانی کے نہیں



اُن نے جو اس طول سے کھینچا پریشانی کے تئیں  
گشتہ انداز کس کا تھا نہ جانا وہ جواں  
لے رہے تھے کچھ ملک اک نعش قربانی کے تئیں  
طاثرانِ خوش معاش اس باغ کے ہم تھے کبھو  
اب ترستے ہیں قفس میں اک پرافشانی کے تئیں  
دل جو پانی ہو تو آئینہ ہے رُوسے یار کا  
خانہ آبادی سمجھ اس خانہ ویرانی کے تئیں  
کچھ نظر میں نے نہ کی جی کے زیاں پر اپنے ہائے  
دوست ہی رکھے گیا اُس دشمن جانی کے تئیں  
جب جلے چھاتی بہت تب اشک افشاں ہونہ میر  
کیا جو چھڑ کا اس دکھتی آگ پر پانی کے تئیں

جانا ادھر سے میرا ہے ویسا ادھر کے تئیں  
بیماریوں میں جیسے بدلتے ہیں گھر کے تئیں  
زخمی کو اُس نگہ کے طبیبوں سے کام کیا  
ہمدم مجھے دکھا کسو صاحب نظر کے تئیں  
تم دل سے جو گئے تو خرابی بہت رہی



بھر بھی بساؤ آکر اس اُجڑے نگر کے تنیں  
 حالت یہ ہے کہ بے خبری دمدم ہے پاں  
 وے اب تلک بھی آنے نہیں تلک خبر کے تنیں  
 مدت ہوئی کہ اپنی خبر کچھ نہیں ہمیں  
 کیا جانے کہ تیر گئے ہم کہ ہر کے تنیں

کیا کہوں اول بخود تو دیر میں آتا ہوں میں  
 پھر جو یاد آتا ہے وہ چپکا سارہ جاتا ہوں میں  
 اب سب ہوتا ہوں پا کر آپ کو جیسے حباب  
 یعنی اس ننگِ عدمِ مستی سے شرمانا ہوں میں  
 ایک جاگہ کب ٹھہرنے دے ہے مجھ کو روزِ گلا  
 کیوں تم اُکٹانے ہو اُسناء آجکل جاتا ہوں میں  
 ہے کمالِ عشق پر بے طاقتی دل کی دلیل  
 جلوہ دیدار کی اب تاب کب لاتا ہوں میں  
 آنہماں معلوم ہوتا ہے ورے کچھ آگیا  
 دور اُس سے آہ کیسا کیسا گھبراتا ہوں میں  
 رہے تیرا وارہ کہ میں نہ جانوں ایک تیر



دل مراد ہوتا نہیں ہر چند سمجھاتا ہوں میں

ایام ہجر کرے بسر کس اُمید پر  
لنا اُنھوں کا صبح نہیں، شام بھی نہیں  
کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر تیرے  
کچھ طرز ایسی بھی نہیں، ایہام بھی نہیں

گرچہ عالم جلوہ گاہِ یار یوں بھی تھا، ولے  
آنکھیں جب موندیں عجب عالم نظر آیا  
تجھ تک اس بے طاقتی میں کیا پہنچنا سہل تھا  
غش ترے کوچے میں ہر ہر کام پر آیا ہمیں  
کہ چلا بے خود غم زلفِ دراز و لبراز  
دور کا اے تیر در پیش اب سفر آیا ہمیں

اشک کے جوش سے ہوں شام و سحر پانی میں  
جیسے ماہی ہے مجھے سیر و سفر پانی میں  
شب نہاتا تھا جو وہ، شکِ قمر پانی میں



گنتھی ماہتاب سے اٹھتی تھی لہر پانی میں  
 ساتھ اس حسن کے دبنا تھا دکھائی وہ بدن  
 جیسے جھمکے ہے پڑا گوہر تر پانی میں  
 آتش عشق نے راون کو جلا کر مارا  
 گرچہ لٹکا سا تھا اس دیو کا گھر پانی میں  
 چشم زمہی میں رہے کاش وہ روئے خوش رنگ  
 بچھول رہتا ہے بہت تازہ و تر پانی میں  
 محو کر آپ کو یوں مہنی میں اس کی جیسے  
 بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں

ہیئت آنکھوں کی نہیں وہ رہی رونے رونے  
 اب تو گرداب سے آنے ہیں نظر پانی میں  
 طبع دریا جو ہو آشفستہ تو بھر طوفان ہے  
 آہ بالوں کو پرالگ شدہ نہ کر پانی میں  
 فرط گرہ سے ہوا میر تباہ اپنا جہاز  
 نختے پارے لئے کیا جانوں کدھر پانی میں



رکھا کر اشک افشاں چشم فرصت غیر فرصت میں  
 کہل جاتا ہے ان جوؤں کا پانی بحر رحمت میں  
 تحمل ہو سکا جب تک بدن میں تاب طاقت تھی  
 قیامت اب گزر جاتی ہے دل پر ایک ساعت میں  
 عجب کیا ہے جو بارانِ چمن ہم کو نہ پہچانیں  
 رہائی اتفاق اپنی پڑی ہے ایک مدت میں  
 قدم پر رکھ قدم اُس کے بہت مشکل ہے مرجانا  
 سر آمد ہو گیا ہے میر فنِ مہر و الفت میں

کس کئے جاؤں الہی کیا دو اپنا کروں  
 دل تو کچھ بیٹھا ہی جاٹے ہے کروں سو کیا کروں  
 مصلحت ہے میری خاموشی ہی میں اسے ہم نفس  
 تو ہو ٹپکے بات سے جو ہونٹ اپنے وا کروں  
 دل پریشانی مجھے دے ہے بھیرے گل کے رنگ  
 آپ کو جوں غنچہ کیونکر آہ میں یکجا کروں  
 خواہ تو آخر کیا ہے گلیوں میں تو نے مجھے  
 تو بھی اے عشق جو تجکو بھی میں رسوا کروں



کیا کو فیتیں اُٹھائیں ہجراں کے درد و غم میں  
 تڑپا ہزار نوبت دل ایک ایک دم میں  
 کلفت میں گزری ساری مدت تو زندگی کی  
 آسودگی کا منہ اب دیکھیں گے ہم عدم میں

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں      اُس سے آنکھیں لگیں تو خواب کہاں  
 ہستی اپنی ہے پنج میں پر وہ      ہم نہ ہو دیں تو پھر حجاب کہاں  
 گریہ شب سے سُرخ ہیں آنکھیں      مجھ بلا نوش کو شراب کہاں  
 عشق کا گھر ہے تیرے آ باد      ایسے پھر خانماں خراب کہاں

ق

یار و مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں  
 اب دو تو جام خالی ہی دو میں نشے میں ہوں  
 مستی سے درہمی ہے مری گفتگو کے پنج  
 جو چاہو تم بھی مجھ کو کہو، میں نشے میں ہوں  
 باہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانندِ جامِ مئی  
 باحتواری دُور ساتھ چلو، میں نشے میں ہوں



کاشکے دل دو تو ہوتے عشق میں  
ایک رہتا ایک کھوتے عشق میں  
خواب میں دیکھتا تھا اُس کو ایک رات  
برسوں کاٹے ہم نے سوتے عشق میں

ہیں جو کہ جی میں ٹھانے ہیں  
تو خوابوں کو جانتا ہی ہوں  
خوب رو کس کی بات مانے ہیں  
پَر مجھے یہ بھی خوب جانے ہیں  
وے نہ ہم ہیں نہ زمانے ہیں  
اب مرے عہد میں فلسفے ہیں  
کرتے ہیں اُس پر ہی دوسے  
میر صاحب بھی کیا دوائے ہیں

باغِ فردوس کا ہے رشک وہ کوچہ لیکن  
آدمی ایک نہیں اُس کے ہوا داروں میں  
اضطراب و قلق و ضعف ہیں گر میر ہی  
زندگی ہو چکی تو اپنی ان آزاروں میں

کوئی ہم سا بھی اپنی جان کا دشمن نہیں ہوگا



بھری مجلس میں بیٹھے عشق کا اقرار کرتے ہیں  
 حجابِ ناکسی سے مر گئے روپوش کب تک ہوں  
 جہنموں سے عار تھی ہم کو سو ہم سے عار کرتے ہیں  
 الف کی مزا اگر سمجھا اٹھا دل بحثِ علمی سے  
 اسی اک حرف کو برسوں سے ہم تکرار کرتے ہیں  
 بلا آفت ہے کچھ دل پر کہ ایسا رنگ ہے اُن کا  
 کسو بے ہر کے تئیں تیر شاید پیار کرتے ہیں

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے  
 دامن کے چاک اور گرمیاں کے چاک میں  
 کہتے لطافت اُس تین نازک کی تیر کیا  
 شاید یہ لطف ہو گا کسو جانِ پاک میں

آج ہمارے گھر آیا تو، کیا ہے یہاں جو تشر کریں  
 الا کھینچ بغل میں تجھ کو دیر تلک ہم پیار کریں  
 خاک ہوئے، پامال ہوئے، برباد ہوئے سب مچوئے  
 اور شداؤدِ عشق کی رہ کے کیسے ہم ہوا کر رہیں



شیوہ اپنا بے پروائی نویسی سے ٹھہرا ہے  
 کچھ بھی وہ مفسر و دے تو منت سو سو بار کریں  
 بتا پتا گلشن کا تو حال ہمارا جانے ہے  
 ورنہ کہے تو جس سے اسے گل بے برگ اٹھا کریں

گل کو کیا نسبت ہے تجھ سے میں نہ مانوں زینہا  
 رنگ اگر بالفرض تیرا سا ہوا یہ بُو کہاں  
 میرے سچ کہتا تھا، جنت ہو نصیب اس کے تین  
 خور کا چہرہ کہاں، اُس کا رخ نیکو کہاں

بے گانہ وضع برسوں اس شہر میں رہا ہوں  
 بھاکوں ہوں دو دمب سے میں کس کا آشنا ہوں  
 پوچھا ہی کی ہے مجھ سے گل برگ لب کو تیرے  
 بلبل کے ہاتھ جب میں گلزار میں لگا ہوں  
 اب کارِ شوق و بکھوں پہنچے مرا کہاں تک  
 قاصد کے پیچھے میں بھی بے طاقت اٹھ چلا ہوں  
 کیا کیا کیا تا تل اس منکر میں گیا کھل



سمجھانہ آپ کو میں کیا جانئے کہ کیا ہوں

کوچے میں تیرے تیر کا مطلق اثر نہیں  
 کیا جانئے کہ ہر کو گیا کچھ خبر نہیں  
 ہے عاشقی کے بیچ ستم دیکھنا ہی لطف  
 مر جانا آنکھ موند کے یہ کچھ ہنسن نہیں  
 کب شب ہوئی زمانے میں جو پھر ہوا نہ روز  
 کیا اے شب فراق تجھی کو سحر نہیں  
 ہر چند ہم کو مستوں سے صحبت ہی ہے لیک  
 دامن ہمارا ابر کے مانند تر نہیں  
 گلگشت اپنے طور پہ ہے خوب، سوتویاں  
 شائستہ پریدن گلزار پر نہیں

کھینچتا چلا ہے اب تو نصفِ یق کو تصور  
 ہر لحظہ اُس کے جلوے پیش نظر ہے ہیں  
 کل دیکھتے ہمارے بستے تھے گھر برابر  
 اب یہ کہیں کہیں جو دیوار و در ہے ہیں



نے غم ہے کچھ یہاں کا نے فکر کچھ وہاں کا  
 صد تھے جنوں کے کیا ہم بے در و سر ہے ہیں  
 اس سیکڑے میں جس جا ہشیار چاہیے تھے  
 رحمت ہے ہم کو ہم بھی کیا بے خبر ہے ہیں  
 چل ہمنشیں بنے تو ایک آدھ بہت سنے  
 کہتے ہیں بعد مدت میر اپنے گھر ہے ہیں

اے کاش ہم کو سکر کی حالت رہے مدام  
 تا حال کی خسرابی سے ہم بے خبر رہیں  
 رہتے ہیں یوں حواس پریشاں کہ جوں نہیں  
 دو تین آکے بوٹے مسافر اتر رہیں  
 فردا کی فکر آج نہیں مقضائے عقل  
 کل کی بھی دیکھ بیویں گے کل ہم اگر رہیں

حیراں ہو میرے حال میں کہنے لگا طیب  
 اس درد مند عشق کی میں کیا دوا لکھوں



کیا کہئے آہِ جی کو قیامت ہے انتظار  
آتا نہ کاشش وعدہ دیدار درمیاں

باغ گو سبز ہوا اب سرِ گلزار کہاں  
دل کہاں، وقت کہاں، عمر کہاں، یار کہاں  
دم زدن مصلحتِ وقت نہیں ہے ہمدم  
جی میں کیا کیا ہے مرے پر لبِ اظہار کہاں  
ڈوبا ہو میں پڑا تھا ہمگی پس بکرو تیر  
یہ نہ جاؤ کہ لگی ظلم کی تلوار کہاں

اے مجھ سے تجکو سو ملے، تجھ سا نہ پایا ایک میں  
سو سو کہیں تو نے مجھے، منہ پر نہ لایا ایک میں  
عالم کی میں نے سیر کی، تجکو جو خوش آیا سو تو  
سب سے رہا مخلوق تو، تجکو نہ بھایا ایک میں  
یہ جوشِ غم ہوتے بھی ہیں اب رہِ نرد و تے بھی ہیں  
چشمِ "جہاں آشوب" سے دریا بہایا ایک میں  
تھا سب کو دعوایِ عشق کا لیکن نہ کھٹرا کوئی بھی



دانستہ اپنی جان سے دل کو اٹھایا ایک میں  
 ہیں طالب صورت بھی مجھ پرستم کیوں اس قدر  
 کیا مجرم عشق بتاں یاں ہوں خدایا ایک میں  
 بجلی سے یوں چلے بہت پر بات کہتے ہو چکے  
 جوں ابر ساری خلق پر ہوں اب تو چھایا ایک میں  
 سورنگ وہ ظاہر ہوا کوئی نہ جاگہ سے گیا  
 دل کو جو میرے چوٹ تھی طاقت نہ لایا ایک میں  
 اس گلستاں سے منفعت یوں تو ہزاروں کو ہوئی  
 دیکھا نہ سرو و گل کایاں ٹک سر پہ سایا ایک میں  
 رسم کس ہے دوستی ہوتی بھی ہے الفت ہم  
 میں کشتی ٹھہرا جو ہوں کیا دل لگایا ایک میں  
 جن جن نے دیکھا تھا اُسے بخود ہوا پیتا بھی پھر  
 پر میر جیتے جی بخود ہرگز نہ آیا ایک میں

چمن میں جا کے بھر و تم گلوں سے جیب و کنار  
 ہم اپنے دل ہی کے ٹکڑوں سے گل بدایا ہیں



جو رکھا کیا جفا میں کیا کیا ہیں عاشقی میں بدائیں کیا کیا ہیں  
 خوب رو ہی نہیں فقط وہ شوخ حسن کیا کیا ادائیں کیا کیا ہیں  
 فکرِ تعمیرِ دل کسو کو نہیں ایسی ویسی بنائیں کیا کیا ہیں  
 کہ نسیم و صبا ہے گا و سموم اس جہن میں ہوائیں کیا کیا ہیں  
 شور ہے ترکِ مشح کا لیکن چپکے چپکے دعائیں کیا کیا ہیں  
 منظرِ دیدہ قصرِ دل اسے میر شہرِ دل میں بھی جائیں کیا کیا ہیں

فراق آنکھ لگنے کی جا ہی نہیں پلک سے پلک آشنا ہی نہیں  
 گلِ عشق کا بدِ خلقت سے ہے غمِ دل کو کچھ انتہا ہی نہیں  
 وہ کیا کچھ نہیں حسن کے شہر میں نہیں ہے تو رسم و فاہی نہیں  
 نہیں دیر اگر میر کعبہ تو ہے ہمارے کوئی کیا خدا ہی نہیں

سوئے دروں سے کیونکر میں آگ میں نہ لوٹوں  
 جوں شیشہِ حبابی سب دل پر آبلے ہیں  
 اندیشہِ زادِ رہ کار کچھے تو ہے مناسب  
 چلنے کو یاں سے اکثر طیارِ قافلے ہیں



نے کھو یا کھپا یا ہمیں بہت اُس نے ڈھونڈا نہ پایا ہمیں  
 ڈالے ہے دل کوئی عشق میں یہ کیا روگ یارب لگا یا ہمیں  
 گئی دشمنی عشق کی بہت دوستوں نے جبا یا ہمیں  
 مکل آئے تھے مجلس میں میر بہت اس غزل پر رُلا یا ہمیں

نے تماشا بنا یا ہمیں رہا دیکھ اپنا پر ایا یا ہمیں  
 ہم تو کھوئے گئے سے ہے کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں

کیا عبرت مجھوں پہ ہے میاں  
 یہ دوانا باؤ لا عاقل ہے میاں  
 ہم نے یہ مانا کہ واعظ ہے ملک  
 آدمی ہونا بہت مشکل ہے میاں  
 چشم تر کی خیر جاری ہے سدا  
 سیل اس دروازے کا سا مل ہے میاں  
 مرنے کے پیچھے تو راحت سچ ہے لیک  
 بیچ میں یہ واقعہ حائل ہے میاں  
 چاہیے پیش از فنا آنکھیں کھلیں



حیف اُس کا وقت جو غافل ہے میاں  
 رنگ بے رنگی بُدا تو ہے دے  
 آب ساہر رنگ میں شامل ہے میاں  
 بے تہی دریائے ہستی کی نہ پوچھ  
 یاں سے واں تک سو جگہ ساحل ہے میاں  
 چشم حق میں سے کرو تک ہم نظر  
 دیکھتے جو کچھ ہو سب باطل ہے میاں  
 در دمندی ہی تو ہے جو کچھ کر ہے  
 حق میں عاشق کے دو اقاتل ہے میاں  
 کیا دل مجروح و محزون کا گھر  
 ایک نعلینیں دوسرے گھائل ہے میاں  
 کی زیارت میر کی ہم نے بھی کل  
 لا اُبا لی سا ہے پر کا مل ہے میاں

لذت سے درد کی جو کوئی آشنائیں  
 سو لطیف کیوں نہ جمع ہوں اُس میں مزا نہیں  
 رنگ اور بو تو دل کش و دلچسپ ہیں کمال



لیکن ہزار حیف کہ گل میں وفا نہیں  
تیرے ستم کا تیرے ہدف کب تک رہوں  
آخر جگر ہے، لوہے کا کوئی تو نہیں

ہمیں مسدود ہے کچھ راہِ وفا و نہ ہم  
سب کہیں نامہ و پیغام چلے جاتے ہیں  
دیکھیں پیش آوے ہے کیا عشق میں اب توجوں  
ہم بھی اس راہ میں سرگاڑے چلے جاتے ہیں

گفتگو اتنی پریشاں، حال کی یہ درہی  
تیرے کچھ دل تنگ ہے ایسا نہ ہو سو دایہ میاں

معلوم نہیں کیا ہے لبِ سُرخ بُناں میں  
اس آتش خاموش کا ہے شور جہاں میں  
وے یا سمن تازہ شگفتہ میں کہاں تیر  
پائے گئے لطف اُس کے جو پاؤں کے نشان



## رویف۔ و

اتنا کھانا ہم سے تم نے کھو کہ آؤ  
 کا ہے کو بوں کھڑے ہو وحشی سے بیجا  
 یہ چاند کے سے ٹکڑے پھٹے نہیں چھپانے  
 ہر چند اپنے سُن کو بڑی غم میں چھپاؤ

نہ مانگ آ رہی کا رہ سراپا نہ ہو گا تو  
 نہ ہو گلچین باغِ عشقِ خاتمِ نرد ہو گا تو  
 یہ پیشِ عشق کا ہے خاک چھوٹانے کا حواری  
 ہزار اسے بے وفا جوں گلِ چین پر رہا ہو گا تو  
 غبارِ اُٹھنے لگے گائری اس نازک صیبت سے  
 بسانِ گردِ بادِ آفسرِ بیاباں گرد ہو گا تو  
 علقہ دل کا لکھوانے کا دفترِ ہاتھ سے بند  
 نجرِ دے کے جڑوں میں فلمِ سافر رہا ہو گا تو  
 نہ اک دم صبح تک بھی آنکھ لگنے دے گا دلِ علبا



یہی پھر تیرا سارے گرم آہ سرد ہو گا تو

کے گئے ہے ذکر دل کا      ویران پڑا ہے یہ مکاں تو  
تربت تیر کو مٹاؤ      رہنے دو غریب کا نشان تو

ہوتا نہیں ہے گاہ تو      کس قدر مغرور ہے اللہ تو  
دل میں کام کرنا کام ہے      یوں فلک پر کیوں نہ جائے آہ تو  
عاشقی میں کھپ گیا      مت کسو کو چند روز اپ چاہ تو

ہوں تو نالال زیر دیوارِ عین پر ضعف سے  
گوش زنگل کے نہیں ہوتا مرا شیون کبھو

گلیں گ سے ہے نازک خوئی پا تو دیکھو  
کیا ہے جھمک کنک کی رنگِ حنا تو دیکھو  
ہر بات پر خشونت طرزِ جفا تو دیکھو  
ہر لحظے بے ادائیگی اس کی ادا تو دیکھو  
سب سے میں ہر ہلک کے خوابیدہ ہے قیامت



اُس فتنہ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو  
 بلیبل بھی گل گئے پر مرکب چمن سے نکلی  
 اس سُرخ شوق کشش کی شک تم وفا تو دیکھو  
 طعز میں غمِ شاکر ہو غمش رہنے پر ہمارے  
 دو چار دن کسو سے دل کو لگا تو دیکھو  
 ہونا پڑے ہے دشمن ہر گام اپنی جاں کا  
 کوچے میں دوستی کے ہر کوئی آ تو دیکھو  
 ہے اس چمن میں وہ گل صد رنگ جو جلوہ  
 دیکھو جہاں وہی ہے کچھ اُس سوا تو دیکھو  
 اشعارِ شیر پر ہے اب ہاے واے ہر سو  
 کچھ سحر تو نہیں ہے لیکن ہوا تو دیکھو

بد زباں ہو جیسے خوش ہلو ب ہو      کیا کہیں جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو  
 ایسا شہرِ حسن ہی ہے "مازہ رستم"      دوستی با ہم جہاں محبوب ہو  
 جو کہو ہو سو مخالف عقل کے      بہر صاحب تم مگر مجذوب ہو

منفذ کاش مجلس مل ہو      درمیاں تو ہو سامنے گل ہو



یاں متصل رہیں باہم      نے تساہل ہوئے تغافل ہو  
 ڈھواں یوں جگر سے اٹھتا ہے      جسے پر بیج کوئی کا کل ہو  
 طالع نہ جذب پھر دل کو      کس بھروسے پر شک نکل ہو  
 رہنے کی جا نہیں یہ جہن      بوے گل ہو، صغیر بلبل ہو

رے باعثِ شور و فغاں ہو      ابھی کیا جانے یاں کیا سماں ہو  
 شورِ عالم ہیں دو عالم      خدا جانے ملاپ اُس سے کہاں ہو  
 سجدے میں ہم نے غش کر رکھا      وہیں شاید کہ اُس کا آستان ہو

رہتے ہو تم آنکھوں میں پھرتے ہو تمھیں دل میں  
 مدت سے اگرچہ یاں آئے ہو نہ جاتے ہو

ہر صبح و شام نم پئے اپنا اے میر ہو  
 ایسا نہ ہو کہ کام ہی اُس کا اخیر ہو  
 ہو کوئی با و شاہ کوئی یاں وزیر ہو  
 اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو  
 جنت کی منت اُن کے دماغوں سے کیا بٹھے



خاک رہ اُس کی جن کے کفن کا غیر ہو  
 کیا یوں ہی آب و تاب سے ہو بیٹھے کا رشتہ  
 سوکھے جگر کا خوں تو رواں جوئے خیر ہو  
 چھاتی قفس میں داغ سے ہو کیوں نہ رشکِ بیخ  
 جوش بہار تھا کہ ہم آنے اسیر ہو  
 اک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرو  
 تم بھی تو میر صاحب و قبا۔ فقیر ہو

شک لطف سے ہلا کر گو پھر کبھو کہو ہو  
 سونب نلک کہ بھکر حجراں سے نہرے لا ہو  
 کیا کیا جوان ہم نے دُنیا سے جانے دیے  
 اے عشق بے کھا با دُنیا ہو اور تو ہو  
 پُر خوں ہمارے دل سے کتنی ہے نو مشابہ  
 شاید کلی بجھے بھی اُس گل کی آرزو ہو  
 کھوئے نئے بال کن نے ہنگام صبح اپنے  
 آئی ہے اے صبا تو ایسی جو مشکبو ہو  
 درویشی سے بھی اپنی نکلتے ہے سیرِ نانی



نقشِ حیرتِ تن پر ایسے ہیں جوں اُنُو ہو

رکھتے گردن کو تری تیغِ ستم پر ہو سو ہو  
 جی میں سہم نے یہ کیا ہے اب مقرر ہو سو ہو  
 قطرہ قطرہ اشکباری تا کجا پیشِ سحاب  
 ایک دن تو ٹوٹ پڑا سے دیدہ تر ہو سو ہو

ظالم ہو میری جان پہ نا آشنا نہ ہو  
 بے رحمی اتنی غیب نہیں بے وفائے ہو  
 آزار کھینچنے کے مزے عاشقوں سے پوچھو  
 کیا جانے وہ کہ جس کا کہیں دل لگانہ ہو  
 کھینچا ہے آدمی نے بہت دور آپ کو  
 اس پر دے میں خیال تو کر ٹک خدا نہ ہو  
 جی میں تو ہے کہ دیکھیے آوارہ ہیر کو  
 لیکن خدا ہی جانے وہ گھر میں ہو یا نہ ہو

خدا کرے کہ بتوں سے نہ آشنائی ہو



کہ پھر مویٰ ہی بنے ہے اگر جدائی ہو  
 بدن نام ہے ہر آئینہ لوحِ تربت کا  
 نظر جسے ہو اُسے خاکِ خود نمائی ہو  
 فرو نہ آئے سرِ اس کا طوافِ کعبہ سے  
 نصیب جس کو ترے در کی جُہد سائی ہو  
 ہزار موسمِ گل تو گئے اسیری میں  
 دکھائی دے ہے مویٰ ہی پر اب ہائی ہو

پھولوں کے عکس سے نہیں جوئے چمن میں رنگ  
 گل یہ چلے ہیں شرم سے اُس اُرخ کی آب ہو  
 یاں حرمِ گنتے انگلیوں کے خط بھی مٹ گئے  
 واں کس طرح سے دیکھیں ہمارا حساب ہو  
 لطفِ شرابِ ابر سے ہے سو تو یا نصیب  
 جب لیو ہیں جامِ ہاتھ میں نبا آفتاب ہو  
 ہستی پر ایک دم کی تمھیں جوش اس قدر  
 اس بھر موجِ خیز میں تم تو حباب ہو  
 جی جاہتا ہے بیش کریں ایک رات ہم



تو ہو دے، چاندنی ہو، گلابی شراب ہو

جوشِ مِیْطِ عشق میں کیا جی سے گفتگو  
اس گوہرِ گرامی سے اب ہاتھ دھو رہو

لائق نہیں تمہیں کہ ہمیں ناسزا کہو  
پر ہے یہی ہمارے کبے کی سزا، کہو  
چپکے رہے بھی چین نہیں تب کہے ہے یوں  
لب بستہ بیٹھے رہتے جو ہو، مدعا کہو  
اب نیک و بد پہ عشق میں مجھ کو نہیں نظر  
اس میں مجھے بُرا کہو کوئی بھلا کہو  
سرِ خاکِ آستان پہ تمہارے رہا مدام  
اس پر بھی، پلِ نصیب، جو تم سے وفا کہو  
صحبت ہماری اُس کی جو ہے، گفتنی نہیں  
کیا کہے گر کہے کوئی یہ ناجسرا کہو

تم تو تصویر ہوتے دیکھ کے کچھ آئینہ



اتنی چُپ بھی نہیں ہے خوب، کوئی بات کرو  
 بس بہت وقت کیا شعر کے قُن میں ضائع  
 میرا اب پیر ہوئے ترکِ خیالات کرو

جوں غنچ میرا تنے نہ بیٹھے، ہا کرو  
 گل پھول دیکھنے کو بھی ٹک اُٹھ چلا کرو  
 ہونے ہو بے دماغ تو دیکھو ہو ٹک ادھر  
 غصے ہی ہم پہ کاشکے اکشر رہا کرو  
 یہ اضطراب دیکھ کہ اب دشمنوں سے بھی  
 کہنا ہوں اُس کے ملنے کی کچھ تم دعا کرو  
 ہر چند ساتھ جان کے ہے عشقِ میر لیک  
 اس دردِ لاعلاج کی کچھ تو دوا کرو

بے طاقتی میں شب کی پوچھو نہ ضبطِ میرا  
 ہاتھوں میں دل کو، کھا، دانتوں سے جگر کو  
 پھولا پھلانا اب تک ہرگز درختِ خواہش  
 برسوں ہوئے کہ دوں ہوں خونِ دل اس شجر کو



ہے ہر روز گار میرا ایسا سیہ کہ یار و  
مشکل ہے ذوق کرنا ٹمک شام سے سحر کو  
ہر چند ہے سخن کو تشبیہ و ر سے، لیکن  
باتیں مری سُنو تو تم پھینک دو گھر کو

مطرب نے پڑی تھی غزل اک تیر کی شب کو  
مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو  
ہو گا کسو دیوار کے سائے میں پڑا تیر  
کیا ربط محبت سے اُس آرام طلب کو

گیا کوچے سے تیرے اُٹھ کے تیر آشفۂ سر شاید  
پڑا دیکھا تھا میں نے رہ میں اُس کے سنگِ بالیں کو

آنکھوں سے ہوئی خانہ خرابی دل اے کاش  
کر لیتے تھی بند ہم ان دونوں دروں کو  
پر وازِ گلستاں کے تو شائستہ نہ نکلے  
پر وازِ نہ نمط آگ ہم اب دیں گے پروں کو



اس باغ کے ہر گل سے جھپک جاتی ہیں آنکھیں  
 مشکل پڑی ہے آن کے صاحب نظروں کو  
 آداب جنوں چاہیے ہم سے کوئی سیکھے  
 دیکھا ہے بہت یاروں نے آشفۂ سروں کو

عنایتِ اولی سے جو دل ملا مجھ کو  
 محلِ شکر ہے، آتا نہیں کلا مجھ کو  
 تنکِ شراب، ضعیف الدماغ ہوں ساقی  
 دمِ حسرتی پر زور مست پلا مجھ کو  
 ہوا ہوں خاک پہ دل کی وہی ہے نامی  
 ابھی اس آشنے کی کرنی ہے چلا مجھ کو

مستیٰ ان آنکھوں سے نکلی ہے اگر دیکھو خوب  
 خلق بدنامِ عیبث کرتی ہے جامِ کل کو  
 جیسے ہونی ہے کتابِ ایک ورقِ پنِ فہم  
 نسبتِ تام اسی طور ہے جز سے کل کو



جنبش بھی اُس کے آگے ہونٹوں کو ہوتو کیسوی  
 یوں اپنے طور پر تم باتیں بہت بنا لو  
 دو نعروں ہی میں شب کے ہوگا مگانا ہوگا  
 سن رکھو کان رکھ کر یہ بات بستی والو  
 یارانِ رفتہ ایسے کیا دور تر گئے ہیں  
 ٹمک کر کے تیز گامی اس قافلے کو جا لو  
 یوں رفتہ اور بے خود کب تک رہا کرو گے  
 تم اب بھی میر صاحب اپنے تئیں سنہا لو

---



## دولیف ہ

یاد جب آتی ہے وہ زلفِ سیاہ      سانپ سا چھاتی پہ پھر جاتا ہے آ  
 یار کا وہ ناز اپنا یہ تیار      دیکھیے ہوتا ہے کیوں کر یوں نہ  
 دین میں اُس کا فربے رحم کے      اجراک رکھتا ہے خون بے گنا  
 رُوٹھ کر کیا آپ سے ملنے میں      ہووے وہ بھی تو کبھو ملک غلام  
 ضبط بہتری کرتے ہیں ولے      آہ اک منہ سے نکل جاتی ہے گ

ظالم یہ کیا نکالی رفتار رفتہ رفتہ  
 اس چال پر چلے گی تلوار رفتہ رفتہ  
 پامال ہوں کہ اس میں ہوں خاک سے برابر  
 اب ہو گیا ہے سب کچھ ہوا رفتہ رفتہ  
 چاہت میں داخل مت دے رہنا آرزو کو  
 کر دے ہے دل کی خواہش ہمار رفتہ رفتہ

شہرِ چین سے کچھ کم درخت جنوں نہیں ہے



یاں گل ہیں دستہ دستہ واں خارستہ رستہ

یوسف سے کوئی کیونکر اُس ماہ کو ملا دے  
ہے فرق رات دن کا از دیدہ تاشنیدہ  
بند سے درِ دل کو کوئی نہیں نہنچتا  
ہر ایک بے حقوت یاں ہے خدا رسیدہ  
سائے سے اپنے وحشت ہم کو رہی ہمیشہ  
جوں آفتاب ہم بھی کیسے رہے جویدہ  
منصور کی نظر تھی جو دار کی طرف سو  
پھل وہ درخت لایا آخر سرِ بریدہ  
ذوقِ سخن ہوا ہے اب تو بہت ہمیں بھی  
لکھ لیں گے تیر جی کے کچھ شعر چیدہ چیدہ

تصدیق ایک دو دن ہووے تو کوئی کھینچے  
تڑپے جگر ہمیشہ، چھاتی جلتے ہمیشہ  
کب تک وفا کرے گا یہ حوصلہ ہمارا  
دل پیسے درد اکثر، غم جی ملے ہمیشہ



لطف کیا ہر کسو کی چاہ کے ساتھ  
چاہ وہ ہے جو ہونہا کے ساتھ  
جساذبہ تو ان آنکھوں کا دیکھو  
جی کھینچے جاتے ہیں نگاہ کے ساتھ

باغباں بے رحم گل بے دید، موسم بے وفا  
آشیاں اس باغ میں بھل نے باندھا کیا سمجھ

کھینچتا ہے دلوں کو صحر ا کچھ  
ہے مزاجوں میں اپنے سودا کچھ  
ایسا ظاہر کا لطف ہے چھپنا  
کم تماشا نہیں یہ پردا کچھ  
وصل اس کا خدا نصیب کرے  
میر دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ

بود نقش و نگار سا ہے کچھ  
صورت اک اعلیٰ سا ہے کچھ



یہ جو مہلت جسے کہے ہیں عمر  
 دیکھو تو انتظارِ سا ہے کچھ  
 منہ نہ ہم جبریوں کا کھلواؤ  
 کہنے کو اختیارِ سا ہے کچھ

کام کو شکلِ دل پر آرزو نے کر دیا  
 یاس کئی ہو چکے تو پھر نہیں اشکال کچھ

ذوقِ خبر میں ہم تو بے ہوش ہو گئے تھے  
 کیا جانے کب وہ آیا ہم کو نہیں خبر کچھ  
 وے دن گئے کہ بے غم کوئی گھڑی کاٹے تھی  
 تھمتے نہیں ہیں آنسو اب تو پھر پھر کچھ  
 ان اُجڑی بستیوں میں دیوار و درہیں کیا کیا  
 آثارِ جن کے یہ ہیں امن کا نہیں اثر کچھ  
 واعظانہ ہو معارفِ نیک و بد جہاں میں  
 جو ہو سکے تو واعظ اپنا ہی فکر کر کچھ



## رہیف بہ می

ہم سے دیکھا کہ محبت نے ادا کیا کیا کی  
ایک دل قطرہ غولتس پہ جفا کیا کیا کی  
سجدہ اک صبح ترے درکاروں اس خاطر  
میں نے محراب میں راتوں کو دعا کیا کیا کی

کچھ کر فکر مجھ دو آنے کی  
دل کا اُس کنج لب سے دسم نہ نکلا  
دھوم ہے بھر ہاتھ آنے کی  
بات لگتی تو ہے ٹھکانے کی  
نیزبوں ہی نہ بھی شب آتش شوق  
نہی خبر گرم اُس کے آنے کی

## غزل مسلسل

میر دریا ہے سُنے شعر نہ بانی اُس کی  
اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اُس کی  
ایک ہے عہد میں اپنے وہ براگندہ مزاج  
اپنی آنکھوں میں نہ آیا کوئی ثمانی اُس کی



بات کی طرز کو دیکھو تو کوئی چاد و تھپا  
 پر ملی خاک میں کیا صحرا بیانی اُس کی  
 اُس کا وہ عجز بھٹا، ایہ غرورِ خوبی  
 منتیں اُس نے بہت کیں یہ نہ مانی اُس کی  
 کچھ لکھا ہے تجھے ہر برگ یہ اسے رشک بہا  
 رقعہ دار بن ہیں یہ اور اتنی خزانہ اُس کی  
 سرگزشت اپنی کس اندوہ سے شب کہتا تھا  
 سو گئے تم نہ سنی آہ کہانی اُس کی  
 مرثیے دل کے کئی کہہ کے بیٹے لوگوں کو  
 شہر و دی میں ہے سب پاس نشانی اُس کی  
 آبلے کی سی طرح ٹھیس لگے بھوٹ ہی  
 در و مندی میں گئی ساری جوانی اُس کی  
 اب گئے اُس کے جز افسوس نہیں کچھ حال  
 حیف صد حیف کہ کچھ قدر نہ جانی اُس کی

مہر و رتک تو ضبط کروں ہوں یہ کیا کروں  
 منہ سے نکل ہی جائے ہے اک بات پیار کی



جی گیار اُس کے تیر کے ہمراہ      تنہی تو اضع ضرور مہاں کی  
 سر دامن سے گفتگو کرے      بات بگڑی لب گریباں کی  
 آدمی سے ملک کو کیا بہت      شان مارے ہے تیراں کی

رکھا گز و فاکانہ نصیب کیا نکالی  
 مہربا خراب کر کے تعزیر کیا نکالی  
 کی اُس عیب ہواں نے تجویر مرگ عاشق  
 آزار کے متناسب تدبیر کیا نکالی  
 دل بند ہے ہمارا موج ہوائے گل سے  
 اب کے جنوں میں ہم نے زنجیر کیا نکالی  
 تلمے پہ ہو ہو رو رو خطا کھینچ ڈالے سلاے  
 یہ تیر جیسے منہ سے کہہ کر کیا نکالی

جی رشک سے گئے جو ادھر کو نصیب چلی  
 کیا کہیے آج صبح عجب کچھ ہو چلی  
 کیا رنگ و بو و بار و سحر سب ہیں گرم راہ  
 کیا ہے جو اس نہیں میں ہے ایسی چو چلی



یہ جو زور و جوش تھے کہاں آگے عشق میں  
تجھ سے جفا تو میرے رسم و فاجلی

س کو محیط سمجھا ہے دیکھیے تو سراپا ہے وہ بھی  
آباد کعبے میں تھا تیر اک خدائی خراب ہے وہ بھی

ق

وزویدہ نگہ کرنا پھر آنکھ ملانا بھی  
اس لوٹتے واسن کو پاس آکے اٹھانا بھی  
پامالی عاشق کو منظور رکھے جانا  
پھر چال کدھب چلنا، ٹھوکر نہ لگانا بھی  
برقع کو اٹھا دینا پھر آدھی ہی چہرے سے  
کچھ منہ کو چھپانا بھی کچھ چھبکی دکھانا بھی

تلخ زندگانی تھی دوستی مدنی جانی تھی  
پر اس کے ہمیشہ مست جا بکھو ہم پر بھی مہربانی تھی  
قصے سے سب کی گئی فزیدیں کچھ عجب طور کی کہانی تھی



شب میں فائدہ نامل کا      سو بتاؤں تمہا جب جوانی  
کوئے قاتل سے بچنے کا خوف      اسی میں اُس کی زندگانی  
فقر پر بھی تھا میر کے کندک      کفنی پہنی سو نہ عفرانی

وہ رابلہ نہیں وہ بخت نہیں رہی  
اُس بے وفا کو ہم سے تک اُلفت نہیں رہی  
تمہی تاب جی میں جب تئیں رنج و تعب کھینچے  
وہ جسم اب نہیں ہے وہ قدرت نہیں رہی  
پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ سب لوگ  
افسوس نم کو میر سے صحبت نہیں رہی

عشق میں ذلت ہوئی، جنت ہوئی، نعمت ہوئی  
آخر آخر جان دی یادوں نے یہ نوبت ہوئی  
عکس اُس بے دید کا تو متصل پڑنا تھا صبح  
دن چہرے کہا جانوں کہا غور شب کی صحت ہوئی

نُوت کو پہرا نہ رہی وہی میں جبرانی ہوئی



اب کے جو آئے سفر سے خوب مہمانی ہوئی  
 پاؤ لے سے جب تلک بکتے تھے سب کتے تھے پیار  
 عقل کی باتیں کیاں کیا ہم سے نادانی ہوئی  
 مرتبہ واجب کا سمجھے آدمی ممکن نہیں  
 غم سودائی ہوا یاں عقل دیوانی ہوئی  
 چاہ کر اُس بے وفا کو آخر اپنی جان دی  
 دوستی اُس کی ہماری دشمنی جانی ہوئی  
 غنچہ کلی ہے گلانی پھول ہے جام شراب  
 توڑنے کو توڑی تو بہ اب پشیمانی ہوئی

---

اُس کی نہ پہنچی انتہا کو دریا عمر نے کی بے وفائی

---

مطرب سے غزل تیر کی کل میں نے پڑھائی  
 اللہ سے اثر سب کے تئیں رفتگی آئی  
 گردش میں ہیں جو تیر سے دھڑکتا ہے  
 دن رات ہمیں رہتی ہے یہ چشم نمائی

---



یوں گو مُردے سے پڑے رہنے ہیں ہم  
 پودہ آئیسے تو آجانا ہے جی  
 آسماں شاید ورے کچھ آگیا  
 رات سے کیا کیا رُکنا ہے جی

---

لہلہ اس بیا بیاں میں دل ہی ہے اپنا  
 نہ خطر و بلایاں نہ رہبہ نہ ہادی  
 مزار جوں میں یاس آگئی ہے ہمارے  
 نہ مرنے کا غم ہے نہ چھنے کی شادی  
 وفا لوگ آپس میں کرنے تھے آگے  
 یہ رسم کھن آہ تم نے اُٹھادی  
 لے قصرِ جنت میں پیرِ مغناں کو  
 ہمیں زبردِ بوا رہیسا نہ جادی

---



## دو فاسے

ت ہے جوش میں مئی کے یعنی ساقی گناہ کر لیجے

نو گرفتار ہوں اس بلخ کا رحم اے صیاد  
موسم گل رہے جب تک مجھے مہلت دیجے

وہ تیر شاہِ خوبی پھر قدرِ دور اُس کی  
درویش بے نوا کی اُس تک صدائے پہنچے

ہیں بد مزاجِ خواباں پر کس قدر ہیں دلکش  
پائے کہاں گلوں نے یہ بکھڑے پیائے پیائے  
بے تابی ہے دنوں کو بے خوابی ہے شبوں کو  
آرام و صبر دونوں مدت ہوئی سدھائے

اسیرِ زلفت کرے، قیدیِ کمنڈ کرے



ہمسداُس کی ہے وہ جس طرح پسند کرے  
 ہمیشہ چشم ہے نم ناک، ہاتھ دل پر ہے  
 خدا کو کو نہ ہم سا بھی درد مند کرے  
 دکھاوے آنکھ کچھو، زلف کھولے منہ پہ کچھو  
 کچھو خرام سے، رستے کے رستے بند کرے  
 سخن یہی ہے جو کہتے ہیں شعرِ تیرے سحر  
 زبانِ خلق کو کس طور کوئی بند کرے

تازہ تر ہوتے ہیں نوگل سے بھی اے نازک نال  
 صبح اٹھتے ہیں بچھے جو پھول بستر کے ترے  
 کوئی آبِ زندگی پیا ہے یہ نہرا ب چھوڑ  
 خضر کو ہنستے ہیں سب مجروح خنجر کے ترے

بویے کھلائے جاتے ہو نزاکت ہائے  
 ہانگو لگنے میلے ہونے ہو لطافت ہائے  
 عشق میں افسوس سا افسوس اپنا کر چکے  
 زمر لب کہتے رہے سدا ایک دُست ہائے



رہیجئے ہی کے ہے قابل یا رکی ترکیب تیر  
واہ وارے چشم واپرو قد و قامت ہلے لے

نظر مت بے پری پر کر کہ آں سوے جہاں پھر سوں  
ہوے پروانہ کے قابل یہ ٹوٹے پر جہاں میرے  
مجھے پامال کر کیساں کیا ہے فاک سے تو بھی  
وہی رہتا ہے صبح و شام در پے آسماں میرے  
سخن کیا میرے کرتے حسرت و اندوہ و حراماں سے  
بیاں حاجت نہیں، حالات ہیں سارے عیاں میرے

ہمارا آئی ہے غنچے گل کے نکلے ہیں گلابی سے  
نہاں سبز جھوٹے ہیں گلستاں میں شرابی سے  
گروں ہوں ہر قدم پر میں ڈبا جاتا ہے جی ہر دم  
پہنچتا ہوں کچھو در پر ترے سو اس خرابی سے  
بہت، ویا نوشتے پر میں اپنے ویکھ قاصد کو  
کہ سر ڈالے غریب آتا تھا خط کی بے جوابی سے



کعبے میں جاں بلب نہ تھے ہم دُور تئیں بُناں سے  
 آنے ہیں پھر کے بار و ایکے خدا کے یاں سے  
 تصویر کے سے طائر خاموش رہتے ہیں ہم  
 جی کچھ اُلٹ گیا ہے اب ناز و فغاں سے  
 جب کو نذنی ہے بجلی تب جانبِ گلستاں  
 رکھتی ہے چھتر میری خاشاکِ آشیاں سے  
 کیا خوبی اُس کے رُز کی اے غنچہ نعلِ کربے  
 تو تو نہ بول ظالم، تو آتی ہے داں سے  
 آنکھوں ہی میں رہے ہو دل سے نہیں گئے ہو  
 جہان ہوں یہ شوخی آتی نہیں کہاں سے  
 اتنی ہی بد مزاجی ہر لحظہ میرے تم کو  
 اب بھاؤ ہے زمیں سے جھگڑا ہے آسمان سے

کرتا ہے کب سلوک وہ اہلِ نیاز سے  
 گفتار اُس کی کبر سے رفتارِ ناز سے  
 خاموش رہ سکے نہ تو بڑھکر بھی کچھ نہ کہہ  
 سرِ شمع کا کٹے ہے زبانِ دراز سے



شاید کہ آج رات کو تھے میکدے میں تیر  
کھیلے تھا ایک منجسہ مہر نماز سے

تا بوت مرا دیر اٹھا اُس کی گلی سے  
اثبات ہوا حرمِ محبت کا اسی سے  
تم چھڑنے ہو بزم میں مجکو تو ہنسی سے  
پر مجھ پہ جو ہو جائے ہے پوچھو مرے جی سے  
ہمسائے مجھے رات کو روپا ہی کرے ہیں  
سوئے نہیں بے چارے مری ناہ کشتی سے  
اُس شوخ کا تکلیں سے آنا ہے قیامت  
اکٹانے لگے ہمنفساں تم تو ابھی سے

ہشیار کہ ہے راہِ محبت کی خطرناک  
مارے گئے ہیں لوگ بہت بے خبری سے  
عشق آنکھوں کے نیچے کیے کیا تیر چھپے ہے  
پیدا ہے محبت تری مرگاں کی تری سے



دُنیا لہر نگاہ ہے صد کاروانِ اشک  
 بُرے سے ہے ابر چشم بڑی دھوم دھام سے

وہ کہاں دھوم جو دیکھی گئی چشم تر سے  
 ابر کیا کیا اٹھے ہنگامے سے کیا کیا بر سے  
 ہو برا فروخت وہ بت جوئیِ احمر سے  
 آگ نکلے سے تماشے کے تپیں جھترے سے  
 تھانوشے میں کہ یوں سوکھ کے مرے اُس بُنا  
 استخوانِ تن پہ نمودار ہیں سب مسطر سے

مراد دل پیر و مرشد ہے مجھے ہے اعتقاد اُس سے  
 فراموش آپ کو کرنا محبت میں ہے یاد اُس سے  
 بلا اغراز ہے اُس کا قیامت ثابت ہے اُس کا  
 اُسکھے غلنے ہزار اُس سے ہوئے لاکھوں داس سے  
 ادھر توبہ کرے ہے میرا دھر لگتا ہے می پینے  
 کہاں تک استوائِ پنا اٹھو گیا ہے اعتماد اُس سے



بھری آنکھیں کسی کی پوچھتے جو آستیں رکھتے  
 ہوئی شرمندگی کیا کیا ہمیں اس دستِ خالی سے  
 و مارِ غرور، نعلِ ناب و برگِ گل سے ہے تم کو  
 ہمیں جب گفتگو ہے تب کسو کے لب کی لالی سے

سجدہ کوئی کرے تو درِ یار پر کرے  
 ہے جانے پاک شرطِ عبادت کے واسطے

دیوانگی میں گاہ ہنسے گاہ رو چکے  
 وحشت بہت تھی طاقتِ دل ہائے کھو چکے

اب چمن میں جا نکلتے ہیں تو جی لگتا نہیں  
 بچھول گل سے میراُس پنِ دل بہت بہلا چکے

خمیا ز کُش رہے ہے اے میرِ شوق سے تو  
 سینے کے زخم کے کہہ کیونکر رہیں گے ٹانگے



دلِ خوں ہوا ہمارا ٹکڑے ہوتے جگر کے  
 دیکھا نہ تم نے ایدھر صدف سے اک نظر کے  
 رہنے کی اپنی جاتو نے دینے سے نہ کعبہ  
 اٹھتے جو اُس کے در سے تو ہو چسپاں کدھر کے  
 خاک ایسی عاشقی پر ٹھکراتے بھی گئے کل  
 پاؤں کئے سے اُس کے پر تیر جی نہ سر کے

اس باغ بے ثبات میں کیا دل صبا لگے  
 کیا کیا نہال دیکھتے یاں پاؤں آ لگے  
 حرص و ہوس سے باز نہ ہے دل تو خوب ہے  
 ہے قہر اس کلی کے تئیں گر ہو ا لگے  
 کس کو خبر ہے کشتی تباہوں کے حال کی  
 تختہ مگر کنارے کوئی بہرے کے جا لگے  
 مقصود کے خیال میں بہتوں نے چھانی خاک  
 عالم تمام وہم ہے یاں ہاتھ کیا لگے

غیر کو دیکھے ہے گرمی سے نہ کچھ لاگ لگے



اس لیے دیکھ رہے ہیں کہ مجھے آگ لگے

ناتوانی سے اگر مجھ میں نہیں ہے دم تو کیا  
عشق جو چاہے تو مردے سے بھی اپنا کام لے  
شاخ گل تیری طرف تھکتی جی ہے اے مستِ ناز  
چاہتی ہے تو بھی اُس کے ہاتھ سے اک جام لے  
ہمنشیں مت کر، بتوں کی تیر کو تسبیح ہے  
کام کیا اس ذکر سے اُن کو، خدا کا نام لے

سختیاں بچیں سو بچیں پھر بھی جو اُٹھ کر چلے  
چلتے اُس کوچے سے ہم پر سیکڑوں پھر چلے

یا پہلی دے نگاہیں جن سے کہ چاہ نکلے  
یا اب کی دے ادائیں جو دل سے آہ نکلے  
یاں فہر تھی، فاتھی واں جو رتھے ستم تھے  
پھر نکلے بھی تو میرے یہ ہی گناہ نکلے



یہ نہیں میں جانتا نسبت ہے کیا آپس میں یک  
 آنکھیں ہو جاتی ہیں شہد می اُس کے جلووں سے ملے  
 اے کس حسرت سے شہم نے سحر رو کر کہا  
 خوش رہو اے ساکنانِ باغ اب تو ہم چلے

بے مہر و وفا ہے وہ کیا رسم وفا جانے  
 الفت سے محبت سے مل بیٹھا کیا جانے  
 دل دھڑکے ہے جانے کچھ بُت خانے سے کچھ کو  
 اس راہ میں پیش آوے کیا ہم کو خدا جانے  
 میں مٹی بھی بے جاؤں دوائے کی اُس کے نو  
 اس دردِ محبت کی جو کوئی دوا جانے  
 اپنے تئیں بھی کھانا خالی نہیں لذت سے  
 کیا جانے ہو س پریشہ چلے تو مزا جانے

جو خواہش نہ ہوتی تو کاشش نہ ہوتی  
 ہمیں جی سے ماماتری آرزو نے  
 نہ بھائیں تجھے میری بائیں دگر نہ



رکھی دھوم شہروں میں اس گفتگو نے  
 طراوا نہ کرنا تھا مشفق بہارا  
 جراحت جگر کے لگے دکھنے دو نے  
 تری چال ٹیڑھی تری بات رُوکھی  
 تجھے میں سمجھا ہے یاں کم کسو نے

کیا رفتگی سے میری تم گفتگو کرو ہو  
 کھویا گیا نہیں میں ایسا کہ کوئی پاوے  
 چھاتی کے داغ اکثر آنکھوں سے کھل رہے ہیں  
 دیکھیں ابھی محبت کیا کیا ہمیں دکھاوے

یا بادہ گلگوں کی خاطر سے ہوس جاوے  
 یا ابر کوئی آوے اور آکے برس جاوے  
 دل تو ہے غمت نالاں یا رانِ گزشتہ بن  
 ممکن نہیں اب اُن تک آوازِ جرس جاوے

اُس شوخ ستمگر کو کیا کوئی بھلا چاہے



جو چاہنے والے کا ہر طور بُرا چاہے  
 کہے گئے کیا کوئی مقصد کو پہنچتا ہے  
 کیا سعی سے ہوتا ہے جب تک خدا چاہے  
 سو رنگ کی جب خوبی پاتے ہیں اُسی گل میں  
 پھر اُس سے کوئی اُس بن چاہے بھی تو کیا چاہے  
 رنگ گل و بوے گل ہونے ہیں ہوا و نول  
 کیا قافلہ جاتا ہے جو تو بھی چلا چاہے  
 ہم تیرا مرزا کیا چاہتے تھے لیکن  
 رہتا ہے ہوتے بن کب جو کچھ کہ ہوا چاہے

دُور می میں اُس کی گور کنا ہے ہم آہے  
 جی رات دن جنہوں کے کھپیں اُن میں کیا ہے  
 اُس آفتابِ حُسن کے ہم داغِ شرم ہیں  
 ایسے ظہور پر بھی جو مُنہ کو چھپا رہے  
 اب جس کے حُسنِ خلاق پہ پھولے پھرے ہیں لوگ  
 اُس بے وفا سے ہم بھی بہت آشنا رہے  
 کشتے ہیں ہم تو ذوقِ شہیدانِ عشق کے



بیخ ستم کو دیر گلے سے لگا رہے  
آتے کبھو جو واں سے تو باں ہتے تھے واں  
آخر کو تیراُس کی گلی ہی میں جا رہے

اک عمر دیدہ ہائے ستیدہ تر رہے  
آخر کو پھوٹ پھوٹ ہے قہر کر رہے  
مرغانِ باغ رہتے ہیں اب گھیرے یوں مجھے  
ماتم زدوں کے حلقے میں جوں نوحہ کر رہے  
آغوشِ اُس سے خالی رہی شب کو تاسحر  
جب و کنار گریہ خونیں سے بھر رہے  
اب صبر و ہوش و عقل کی میرے یہ ہے معاش  
جوں قافلہ لٹا کہیں آکر اُتر رہے

تھا ملک جن کے زیرِ نگین صاف مٹ گئے  
تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشان رہے  
آنسو چلے ہی آنے لگے منہ پہ متصل  
کیا کیجیے کہ رازِ محبت نہاں رہے



منصود گم گیا ہے تباہیسا ہے اضطراب  
چکر میں ورنہ کا ہے کو یوں آ سماں ہے

اب تو ہم ہو چکے ہیں ملک تیرے ابرو خم ہونے  
کیا کیا رنج اٹھاتے تھے جب جی میں طاقت رکھتے تھے  
چاہ کے سارے دیوانے پر آپ سے اکثر بے گانے  
عاشق اُس کے سیر کیے ہم سب سے جُدا میاں لکھتے تھے  
کام کر کے کیا سعی و کوشش مطلب باں ناپیدا ہے  
دست و پا بہ تیرے ماسے جب تک قدرت رکھتے تھے

شمس و قمر کے دیکھے جی اُس میں جا رہے ہیں  
اُس دلفروز کے بھی رُخسار ایسے ہی تھے  
ہو جائے کیوں نہ دوزخ باغِ زمانہ ہم پر  
ہم بے حقیقتوں کے کردار ایسے ہی تھے

ن

بھولوں کی سچ پر سے جو بے دماغ اُٹھے



سند پہ ناز کی جو تیوری چڑھا کے بیٹھے  
 کیا غم اُسے زمیں پر بے برگ و ساز کوئی  
 خار و خشک ہی کیوں نہ برسوں بچھا کے بیٹھے

ہے جنبش لب شکل جہاں کے وہ بیٹھے  
 ہو چاہیں سو پوں کہہ لیں لوگ اپنی جگہ بیٹھے  
 کیا رنگ میں شوخی ہے اُس کے تر نازک کے  
 پیرا ہن اگر پہنے تو اُس پر بھی تہ بیٹھے

مجھ آئے مرتباً سمجھے  
 درجی میں ہے دعا اُس کے  
 اب بھی خدا نے تم کو کیا  
 فرکتا ہیں کہیں تصنیف  
 صاحب کا ہر سخن ہے رمز  
 گم لب خود کے نہیں خدا سمجھے  
 کہ دعا کرے تو دعا سمجھے  
 پر ہمارا نہ مدعا سمجھے  
 پر نہ طالع کا ہم لکھا سمجھے  
 بے حقیقت ہے بیخ کیا سمجھے

سننے تھے کہ جاتی ہے ترے دیکھنے سے جاں  
 اب جان چلی جاتی ہے ہم دیکھنے سے ہائے



کیا رونے ہیں یا ان گزشتہ کے لیے ہم  
جب راہ میں کچھ نقشِ قدم دیکھتے ہیں ہاے

جاگنا تھا ہم کو سو بیدار ہوتے رہ گئے  
کارواں جاتا رہا ہم ہاے سوتے رہ گئے  
جی دیے بن وہ درِ مفسود کب پایا گیا  
بے جگر تھے تیر صاحب جان کھوتے رہ گئے

گل گئے 'بوٹے گئے' گلشن ہوئے برہم گئے  
کیسے کیسے ہاے اپنے دیکھتے موسم گئے  
ہنسنے رہتے تھے جو اس گلزار میں شام و سحر  
دیدہ تر ساتھ لے دے لوگ جوں شبنم گئے  
جی گیا یاں بے دماغی سے انھوں کی اور واں  
نے جبین سے چسپ گئی نے ابروؤں سے خم گئے  
شاہد اب ٹکڑوں نے دل کے قصداں کھوں کہا  
کچھ سبب تو ہے جو آنسو آتے آنے نہم گئے  
سبز و گل خوش نشینی اس مہین کی جن کو تھی



سو بھی تو دیکھا گریباں چاک و شرکاں غم گئے  
 ربط صاحب خانہ سے مطلق بہم پہنچا نہ تیر  
 'مذتوں سے ہم حرم میں تھے یہ نامحرم گئے'

کام کیا بال ہمارے چتر شہ سے کیا غرض  
 سر پر پاک دیوار ہی کا اُس کی سایا چاہیے  
 اتقا پر خانقہ والے بہت مغرور ہیں  
 مست نازاں ایدھر اُس سے یکبار لایا چاہیے  
 یہ ستم نازہ کہ اپنی ناکسی پر کر نظر  
 جن سے بگڑا چاہیے اُن سے بنایا چاہیے  
 گاہ ہر قع پوش ہو کہ مو پر اگتہ کرو  
 تم کو ہم سے منہ ہر صورت چھپایا چاہیے

انکھڑیوں کو اُس کی خاطر خواہ کیونکر دیکھے  
 سو طرف جب دیکھ لیجے تب تکا و دھر دیکھے  
 اشک پر سُرخا ابھی سے ہے تو آگے ہمنشیں  
 رنگ لاوے کیسے کیسے دیدہ تر دیکھے



گر و اب وار یار ترے صدقے چلے  
 دریا کا پھیر پائے تیرا نہ پاسے  
 تاثیر ہے دعا کو فقیروں کی سیرجی  
 تک آپ بھی سہارے لیے ہاتھ اٹھائے

ساکن دیرو حرم دونوں ملاشی ہیں ترے  
 تو خدا جانے کہاں ہے کہنکے تجکو پاسے  
 دور ہی سے ہوش کھودینی ہے اُس کی بے خوش  
 آپ میں رہے تو اُس کے پاس بھی تک جائے

پر نہیں جو اڑ کے اُس دُر چلے      نہ گانی حیف ہے مر جائے  
 قصد ہے کعبے کا لیکن سوچ ہے      کیا ہے منہ جو اُس کے در پہ چلے

ان دہروں کو دیکھ لیا ہے وفا ہیں بے  
 بے و پد بے مردت و نا آشنا ہیں بے

خون ہم کو کھپا ہے جانا ہے      جان کو کوئی کھائے جانا ہے



نِ اس مقام پر دُش روز      اپنی نوبت بجائے جاتا ہے  
 عبرت ہے خاکدانِ جہاں      تو کہاں مُنہ اُٹھلے جاتا ہے  
 سیلاب اس بیاباں کا      کیسا سر کو جھکائے جاتا ہے

کچھو تیرا اس طرف آ کر جو چھاتی کوٹ جاتا ہے  
 خدا شاہد ہے اپنا تو کلیجا ٹوٹ جاتا ہے  
 خرابی دل کی کیا انہو در و در و غم سے پوچھو ہو  
 وہی حالت ہے جیسے شہرِ شکر ٹوٹ جاتا ہے  
 شکست اس رنگ آئی بے خودی عشق میں دل پر  
 نشے میں مست سے جیسے کہ شیشہ پھوٹ جاتا ہے

چمن کو یاد کر مرغِ قفسِ سرِ یاد کرتا ہے  
 کوئی ایسا ستم دُنیا میں اے صیاد کرتا ہے  
 او بھر اے نقشِ شیریں بے ستوں او پر تاشا کر  
 کہ کارستانیاں تیرے لیے فرہاد کرتا ہے

کیا جانے کہ چھاتی جلتے ہیں کہ داغِ دل



اک آگ سی لگی ہے کہیں کچھ دھواں سا ہے

رہے خیال نہ کیوں ایسے ماہ طلعت کا  
اندھیرے گھر کا ہمارے وہی اُجالا ہے  
دلوں کو کہتے ہیں ہوتی ہے ماہ آپس میں  
طریقِ عشق بھی عالم سے کچھ نرالا ہے

چھاتی جلا کر رہے سو زوروں بلا ہے  
اک آگ لگ رہی ہے کیا جانے کہ کیا ہے  
میں اور تو ہیں دونوں مجبور طور اپنے  
ہمیشہ ترا جفا ہے شیوہ مرا وفا ہے  
روئے سخن ہے کید ہر اہل جاں کا یارب  
سب متفق ہیں اس پر ہر ایک کا خدا ہے  
کچھ بے سبب نہیں ہے خاطر مری پریشاں  
دل کا الم جدا ہے غم جان کا جد اے  
شادی سے غم جہاں میں وہ چند ہم نے پایا  
ہے عید ایک دن تو دس دن بہاں دہا ہے



ہے نصیم جان عاشق وہ مجھ ناز لیکن  
 ہر لمحہ بے ادائیگی یہ بھی تو اکاوا ہے  
 ہو جائے یاس جس میں سو عاشقی ہے ورنہ  
 ہر رنج کو شفا ہے ہر درد کی دوا ہے  
 نایاب اس گھر کی کیا ہے تلاش آساں  
 جی ڈوبتا ہے اُس کا جوتہ سے آشنا ہے  
 پھرتے ہو میر صاحب سب سے جدا جدا تم  
 شاید کہیں تمہارا دل ان دنوں لگا ہے

ا تو ہے اصل مذہبات تو  
 گشتہ ہیں ہم یاں کھوپاں  
 سے دیر اٹھ جانا نہیں عیب  
 ملتا سخن اپنا کسو سے  
 اُس بے گانہ کو سمجھے علم  
 عالم میں ہے نے عالم سے باہر  
 میں گریہ پھر نے تو بولا  
 خدا جلنے ترا کیا مدعا ہے  
 ہمارے درد کی بھی کچھ ڈال ہے  
 اگر یاں ہے خدا وال بھی خدا ہے  
 ہمارے گفتگو کا ڈھب جدا ہے  
 اگرچہ یار عالم آشنا ہے  
 یہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے  
 تمہارا میر صاحب ستر بھر ہے



شورِ میرے جنوں کا جس حال ہے      دخلِ عقل اُس مقام میں کیا ہے  
 شورِ بازار میں ہے یوسف کا      وہ بھی آنکھ لے تو تماشا ہے  
 ٹک گریباں میں سرِ ڈال کے دیکھ      دل بھی دامنِ وسیع صحرا ہے

ڈر کیوں نہ محنت میں رہے رونے سے میرے  
 سیلاب نے اس کوچے میں گھر مول لیا ہے  
 بلیکوں سے رفو اُن نے کیا چاکِ دل میرے  
 کس زخم کو کس ناز کی کے ساتھ سیاہ ہے

پہنچا بہم علقہ اے عزتِ کسو سے  
 کرنا معاش اکیلے اتنا کمال کیا ہے  
 سرگرم جلوہ اُس کو دیکھے کوئی سو جانے  
 طرزِ خسرام کیا ہے حُسن و جمال کیا ہے  
 کہ آپ میں نہیں ہو کہ منتظر کہیں ہو  
 پیسے رچی تمھارا ان روزوں کا کیا ہے

ہر طرف بحثِ تجھ سے ہے اے عشق      شکر تیرا، تیری شکایت ہے



ہو گد کہ شکوہ چرخ اُس ستمگر ہی سے کنایت ہے  
ملے میر ملک داروں سے وہ گدا کے شہِ ولایت ہے

کیا جانئے کہ عشق میں خوں ہو گیا کہ داغ  
چھاتی میں اب تو دل کی جگہ ایک دروہ ہے

جانے میں قتل گے سے ترا اختیار ہے  
پر جانیں جو گئی ہیں سورہ پر غبار ہے  
ہم آپ سے گئے سو الہی کہاں گئے  
مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں انتظار ہے  
کل سروِ تازہ باغ میں آیا نظر بٹھے  
میں نے فریبِ شوق سے جانا کہ یا ہے

جنوں کا عیش میرے مذکور ہے  
جوانی دوانی ہی مشہور ہے  
گدا شاہ دونوں ہیں دل باختہ  
عجب عشق بازی کا دستور ہے



نیا و اپنا جس مرتبے میں ہے یاں  
اسی مرتبے میں وہ مغسور ہے

پیٹ لینا سر گئے دل کے شروع عشق تھا  
سینہ کو بی متصل ہے اب یہ ماتم اول ہے

بڑے کھانا ہے تو آنا ہے نظر بان کا رنگ  
کس قدر ہے رے وہ جگر گلو نازک ہے

لطف اس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو	کیا جانے جان ہے کتن ہے
گدیر میں ہیں گئے حرم میں	اپنا ہی تو دوا تر پن ہے
ہم شش عشق ہیں ہمارا	سبدان کی خاک ہی کھن ہے
کریم کے حال پر ترخم	وہ شہر غریب دے وطن ہے

ہم مست ہو بھی دیکھا آخر فرا نہیں ہے  
ہشیار ہی کے برابر کوئی نشا نہیں ہے  
شوق وصال ہی میں جی کھپ گیا ہمارا



با آنکہ ایک دم وہ ہم سے جدا نہیں ہے  
 زیرِ فلک رکا ہے اب جی بہت ہمارا  
 اس بے فضا قفس میں مطلق ہوا نہیں ہے  
 ہر صبح اٹھ کے تجھ سے مانگوں ہی میں تجھی کو  
 تیرے سوا میرا کچھ مدعا نہیں ہے  
 تھیں پیش از آشنائی کیا آشنا نگاہیں  
 اب آشنا ہوے پر آنکھ آشنا نہیں ہے

کیا تنِ نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے  
 کیا بدنِ کارنگ ہے نہ جس کی پیراہن پہ ہے  
 دے پھر ہی پلکیں اُلٹ دیتی ہیں صفا ک آن میں  
 اب لڑائی ہند میں سب اُس سپہ پلٹن پہ ہے  
 تُو تو کہتا ہے کہ میں نے اُس طرف دیکھا نہیں  
 خونِ ناحق تیرا یہ کس کی پھر چوٹن پہ ہے

یہ رات ہجر کی یاں تک تو دکھ دکھائی ہے  
 کبھی شکل مری سب کو بھول جاتی ہے



نہیں ٹک بیٹھنے دیتے تم اپنی بزم میں ہم کو  
 مروت رسم تھی مدت کی سو تم نے اٹھا دی ہے  
 پیش سے رنگ اڑا جاوے قلع سے جان گھرائے  
 دیا ہے دل اتنی یا ہمیں کوئی بلا دی ہے  
 کوئی صورت نہیں اس گھر سے اب تیرے نکلنے کی  
 قیامت کی ہے جن نے آرسی تجھ کو دکھا دی ہے  
 کجی ذہن اس وادی میں گمراہی کا ہے باعث  
 سلیم الطبع کو تو پاؤں کا نقش ہادی ہے  
 نہ کشتی ٹک نہ ہوتی گرفتیری ساتھ الفت کے  
 ہمیں جیساں نے گالی دی ہے تب ہم نے دعا دی ہے

ہے چٹک انجم طرف اُس مہ کے اشارہ  
 دیکھو تو مری آنکھ کہاں جا کے لڑی ہے  
 وہ زلف نہیں منعکس دیدہ تر میر  
 اس بحر میں اشارہ سے زنجیر پڑی ہے

اس منزل و کنش کو منزل نہ سمجھئے گا



خاطر میں رہے یاں سے دیش سفر کھی ہے  
 کوفت سے جان لب پہ آئی ہے  
 ہم نے کیا چوٹ دل پہ کھائی ہے  
 لکھنے رقعہ نکھے گئے رقت  
 شوق نے بات کیا بڑھائی ہے  
 دیدنی ہے شکستگی دل کی  
 کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے  
 ہے تصنع کہ غسل ہیں وے لب  
 یعنی اک بات سی بٹائی ہے  
 دل سے نزدیک اور اتنا دور  
 کس سے اس کو کچھ آشنائی ہے  
 بے ستوں کیا ہے کوہن کیسا  
 عشق کی زور آزمائی ہے  
 یاں ہوئے خاک سے برابر ہم  
 وال وہی ناز خود نائی ہے  
 مرگ مجنوں سے عقل کم ہے میر  
 کیا دوانے نے موت پائی ہے



اُس شوخ سے ہمیں بھی اب یاری ہو گئی ہے  
 شرم نکلے یوں میں جس کی عیاری ہو گئی ہے  
 مطلق اثر نہ دیکھا مدت کی آہ و زاری  
 اب نالہ و فغاں سے بیزار می ہو گئی ہے

کیا پوچھتے ہو عاشق راتوں کو کیا کرے ہے  
 گاہے بکا کرے ہے، گاہے دعا کرے ہے  
 ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں، لیکن  
 سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے  
 سمجھا ہے یہ کہ مجبورا خواہش ہے زندگی کی  
 کس ناز سے معالج سیری دوا کرے ہے  
 کہ سرگزشت اُن نے فرہاد کی نکالی  
 مجنوں کا گاہے قصہ بیٹھا کہا کرے ہے  
 ایک آفتِ زماں ہے یہ تیرِ عشق پیشہ  
 پردے میں سارے مطلب اپنے ادا کرے ہے

کس کو کہتے ہیں نہیں میں جاننا اسلام و کفر



دیر ہو یا کعبہ مطلب مجھ کو تیرے در سے ہے

کارِ دل اُس میں تمام سے ہے  
 کاپش اک روز مجھ کو شام سے ہے  
 تم نہیں فتنہ ساز، سچ صاحب  
 فتنہ پر شور اس غلام سے ہے  
 بسر لے کر سرک گیا کل میں  
 کچھ کہو، کام اپنے کام سے ہے  
 کوئی تجھ سا بھی کاشش تجھ کو لے  
 عساہم کو انتقام سے ہے  
 شعر میرے ہیں سب خواص لب بند  
 پر مجھے گفتگو عوام سے ہے  
 سہل ہے میرے کہ سمجھنا کیا  
 ہر سخن اُس کا اک مقام سے ہے

گو کہ پردا کرے جوں بادِ شبِ ابرو وہ شوخ  
 کب چھپا رہتا ہے ہر چند چھپا نہ سکے ہے



لگ جلی ہے مگر اُس گیسوے غبر بوسے  
 ناز کرنی ہوئی اس راہ صبا نکلتے ہے  
 کیا ہے اقبال کہ اُس دشمن جاں کے آنے  
 منہ سے ہر ایک کے سو بار دعا نکلتے ہے

تمک رُک کے صاف طہنت نکلتے ہے اور کچھ ہو  
 پانی گرہ جو ہو وے نو پھر گھر بنے ہے  
 نکلتے ہے صبح بھی یاں صندل ملتے جیس کو  
 عالم میں کام کس کا بے در و سر بنے ہے  
 برسوں لگی رہے ہیں جب ہر دم کی آنکھیں  
 تمب کوئی ہم سا صاحب صاحب نظر بنے ہے  
 بارانِ دیر و کعبہ دونوں بلارہے ہیں  
 اب دیکھیں تمیر اپنا جانا کہ ہر بنے ہے











دیوان سوم



قوله



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## دیوان سوم

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا  
 خاکِ ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا  
 مجکو شاعر نہ کہو یہ کہ صاحب میں نے  
 درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

دین و دل کے غم کو آساں ناتواں میں لے گیا  
 یا محبت کہہ کے یہ بارگراں میں لے گیا  
 عرصہ و شمت قیامت باغ ہو جائے گا سب  
 اس طرح سے جو یہ چشمِ خوں فشاں میں لے گیا  
 ذکرِ دل جانے کا وہ پُرکینہ سن کہنے لگا  
 یہ سناتے ہو کسے کیا مہرباں میں لے گیا  
 یک جہاں مہر و وفا کی جنس تھی میرے کہنے



لیکن اُس کو پھیر ہی لایا جہاں میں لے گیا  
 رنجت کا ہے کو تھا اس رُتبہ عالی میں تیر  
 جو زمیں نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا

میرا ہی مقلدِ غل تھا مجنوں کے دماغ میں خلل تھا  
 دل ٹوٹ گیا توخوں نہ نکلا یہ شیشہ بہت ہی کم بغل تھا  
 کیا قدر ہے رنجت کی گو میں اس فن میں نظیر می کا بدل تھا  
 تھا نزع میں دستِ تیر دل پر شاہِ شمس کا یہی محل تھا

شبِ شمع کو بھی جھپکی مجلس میں لگ گئی تھی  
 سرگرمِ شوقِ مرُدن جس دم تنگ آیا  
 بشرے کی اپنی رونق لے تیر عارضی ہے  
 جب دل کوخوں کیا تو چہرے پہ رنگ آیا

دل اگر کہتا ہوں تو کہتا ہے وہ یہ دل ہے کیا  
 ایسے نادان دلمر با سے ملنے کا حاصل ہے کیا  
 جاننا باطل کسو کو یہ قصوِ فحش ہے



حق اگر سمجھو تو سب کچھ حق ہے یاں باطل ہے کیا  
 یاں کوئی دن رات وقفہ کر کے قصد آگے کا کر  
 کارواں گاہِ جہانِ رفتنی منزل ہے کیا  
 تک رہے ہیں اُس کو سوہم تک رہے ہیں ایک سے  
 دیدہ حیراں ہمارا دیدہ سہل ہے کیا  
 وہ حقیقت ایک ہی ساری نہیں ہے سب میں تو  
 آبِ ساہرنگ میں یہ اور کچھ شامل ہے کیا  
 چوٹ میرے دل میں ایسی ہے کہ میں ہوں دم بخود  
 وہ شندہ یوں بھی کہتا ہے کہ تو گھٹاں ہے کیا  
 ہم تو سو سو بار مر رہتے ہیں ایک ایک آن میں  
 عشق میں اُس کے گزرتا جان سے مشکل ہے کیا

ان دلبروں سے رابطہ کرنا ہے کام کیا  
 کراک سلام پوچھنا "صاحب کا نام کیا"  
 شکر خدا کہ سر نہ فرولاے ہم کہیں  
 کیا جانیں سجدہ کہتے ہیں کس کو سلام کیا  
 اُس کنج لب پہ چکے ہوئے منہ کو رکھ کے ہم



وچسپاس مقام میں صرف و کلام کیا

چال یہ کیا تھی کہ ایدھر کو گزرا نہ کیا  
 دُور ہی دُور پھرے پاس ہمارا نہ کیا  
 اُس کو منظور نہ تھی ہم سے نجات کرنی  
 ایک چشمک ہی نہ کی ایک اشارہ کیا  
 لے گیا سٹی بھی دروازے کی اُن کے میں تیر  
 پر اطمینان نے مرے دزد کا چارہ نہ کیا

اب یہ نظر پڑے ہے کہ برشتہ وہ مرہ  
 کاوش کرے گی شک بھی نہ سنبھلائے جانے گا  
 اڑتی پھرے گی خاک جنوں کرتی دشت دشت  
 کچھ دست اگر پہ بے سرو ساماں بھی پائے گا

وہ جو گلشن میں جلوہ ناک ہوا  
 اُس کے دامن تلک نہ پہنچا ہاتھ  
 پھول غیرت سے جل کے خاک  
 ننھا سر دست جیب چاک



پہلے گلے لگایا، پھر دستِ جوڑ اٹھایا  
مارا تو اُن نے، لیکن احسان کر کے مارا

نِ خوابانِ بدِ راد کا      ہمیشہ رہے نامِ اللہ کا  
س ہوا دوستی کر کے میں      بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا  
ی کا دیتا ہے مردہ مجھے      مرا نہ مزہ گاہ و بے گاہ کا  
اگر آنکھ تیری ہو تیر      تماشا کر اُس کی نظر گاہ کا

سے خوں ہزار نکلے گا      کوئی دل کا بُخار نہ نکلے گا  
نِ پتھر گہ سے روح الہی      ہو کے آخرِ شکار نہ نکلے گا  
تیرے عشق میں کب تھی      ہو کے بے اختیار نہ نکلے گا

اعجازِ منہ تکے ہے ترے لب کے کام کا  
کیا ذکرِ یاں مسیح علیہ السلام کا  
رقعہ ہمیں جو آوے ہے سو تیریں بندھا  
کیا دیجیے جو اب اجل کے پیام کا



چُپکے دیکھو جھمکتے وہ لبِ سُرخ  
ذکرِ یاں کیا ہے غسل و مرجاں کا

اُس نرسِ مستانہ کو کر بادِ کرہوں ہوں  
کیا کر یہ سرِ شاہ مجھے بے سبب آیا  
جاتا تھا چلا راہِ عجب حال سے کل میر  
دیکھا اُسے جس شخص نے اُس کو عجب آیا

کیا کام کیا ہم نے دل یوں نہ لگانا تھا  
اس جان کی جو کھوں کو اُس وقت نہ جانا تھا  
ہر آن تھی سرِ گوشہِ بابا نہیں گاہے  
اوقات ہے اک یہ بھی، اک وہ بھی نہ مانا تھا  
کیونکر گلی سے اُس کی میں اٹھ کے چلا جاتا  
یاں خاک میں ملنا تھا، بوہو میں نہانا تھا  
جب تو نے نظر پھیری تب جان گئی اُس کی  
مرنا ترے عاشق کا مرنا کہ بہانا تھا  
کہتا تھا کسو سے کچھ، تکنا تھا کسو کا منہ



کل تیر کھڑا تھا یاں، سچ ہے کہ دوانا تھا

مست سہل ہمیں سمجھو پہنچے تھے بہم تب ہم  
برسوں تیش گر دوں نے جب خاک کو چھانا تھا  
ہو باغ و بہار آیا، گل پھول ہمیں پایا  
جلوہ اُسے یاں اپنا صد رنگ دکھانا تھا

یاں اپنے جسم زار پہ تلوار سی لگی  
اُن نے جو بے دماغی سے ابرو کو خم کیا

اب کے جو گل کی فصل میں ہم کو جنوں ہوا  
وہ دل کہ جس پہ اپنا بھروسا تھا، خوں ہوا  
تھا شوقِ طوفِ تربتِ مجنوں مجھے بہت  
اک گر دُباؤِ دشت مرا رہنمویں ہوا

رات سے آنسو مری آنکھوں میں پھرنے لگا  
اک زہنِ جی تھا بدن میں سو بھی گھبرانے لگا



حیف میں اُس کے سخن پر ٹک نہ رکھا گوش کو  
 یوں تو ناصح نے کہا تھا دل نہ دیوانے لگا  
 چشمک اُس مہ کی سی دلکش دید میں آتی نہیں  
 گوستارہ صبح کا بھی آنکھ جھپکانے لگا  
 کیونکہ اُس آنکھ سے رو سے تیرے لیے بے حجاب  
 وہ تو اپنے عکس کو بھی دیکھ شہ بانے لگا

ضبط کرتے کرتے اب جواب کو میں نے وا کیا  
 سو بھی رہتا ہوں یہ کہتا ہاے دل نے کیا کیا  
 آنکھ پڑتی تھی تمہارے منہ پہ جب تک چہن تھا  
 کیا کیا تم نے کہ مجھ بے تاب سے پردا کیا

جسمِ خاکی کا جہاں پردا اٹھا      جسمِ بے وہ تیرے وہ ہم

رہنے کے قابل تو ہرگز بھی نہ یہ عبرت سرا  
 اتفاقاً اس طرف اپنا بھی آنا ہو گیا



کیا قیامت ہوتی ہے پردہ ہو کے کیا جانے  
 مصلحت ہی ہوگی ہم سے وہ جو شرمانا رہا  
 لوگ ہی اس کا رواں کے حرف نشوونہے تمام  
 راہ چلتے تو جس ہر کام چلتا رہا

میں گلستاں میں آ کے غمت آشیاں کیا  
 بلبل نے بھی نہ طور گلوں کا بیاں کیا

وفا تھی مہر تھی اخلاص تھا نطف تھا  
 کبھو مزاج میں اُس کے ہمیں تصرف تھا  
 جو خوب دیکھو تو ساری وہی حقیقت ہے  
 چھپا نا چہرے کا عشاق سے تکلف تھا

غضب کچھ شور تھا سر میں بلا بے طاقتی جی میں  
 قیامت لحظہ تھی مرے دل پر جہاں میں تھا  
 خیال چشم و روے یار کا بھی طرفہ عالم ہے  
 نظر آیا وہاں اک عالم دیگر جہاں میں تھا



گل بھی ہے محبوب لیکن کب ہے اُس محبوب سا  
 آگے اُس قد کے ہے سرو باغ بے اسلوب سا  
 عشق سے کرن نے مرے آگے کیا اُس شوخ کو  
 اب مرے آنے سے ہو جانا ہے وہ محبوب سا  
 عاقلاً نہ حرف زن ہو میر تو کر بے بیاں  
 زیر لب کیا جانے کتنا ہے کیا مجذوب سا

کھو وہ توجہ ادا کر رہے گا  
 ہمیں عشق ہے تو اثر کر رہے گا

تیر کل صحبت میں اُس کی حرف سُر کر رہ گیا  
 ہمیش جاسے کچھ نہ دیکھی چشم تر کر رہ گیا  
 سرگزشت اپنی سبب ہے حیرتِ احباب کی  
 جس سے دل خالی کیا وہ آہ بھر کر رہ گیا

اُس اُرخ نے بہت صورتیں لوگوں کی بگاڑیں  
 اُس قد نے قیامت کا سا ہنگامہ اٹھایا



تحقیق کروں کس سے حقیقت کے نشے کو  
خضر آب سے کہتا ہے تو آتش کہے ہوئے

مرد پر مغال صدق سے نہ ہم ہوتے  
جو حق شناس کوئی اور بھی نظر آتا

مستانہ ساتھ میرے روتی پھرے ہے بلبل  
گل سے جو دل لگا ہے ابتر ہے حال اُس کا

نہ رہا رکھا، بے حال رکھا، بے تاب رکھا، بیمار رکھا  
حال نہ رکھا کچھ بھی ہم میں، عشق نے آخر مار رکھا  
عشق بھی ہم میں ہاے تصرف کیسے کرتا ہے  
دل کو چاک، جگر کو زخمی، آنکھوں کو خونبار رکھا

دل رات دن رہے سینے میں عشق ملتا  
ہر چہ چاہتا ہوں پر جی نہیں سنہلتا  
شب ماہ چار وہ تھا کس حسن سے نمایاں



ہوتا بڑا تماشا جو یار بھی نکلتا

بوسہ اُس بُت کالے کے مُنہ موڑا

بھاری پتھر تھا، چوم کر چھوڑا

دل نے کیا کیا نہ رات در دے دے

جیسے پکتا رہے کوئی پھوڑا

دل ہی مرغِ چمن کا ٹوٹ گیا

بھولی گلچیں نے ہائے کیوں توڑا

ہے عشق میں صبر ناگوار  
یوں بات کرے ہے میرے خوں سے  
رُخسانے پاس وہ دُرِ گوش  
بھولی مجھے دیکھ کر گلوں میں  
پر صبر بن اور کیا ہے چار  
گویا نہیں اُن نے مجھ کو مارا  
ہے پہلوے ماہ میں سارا  
بلبل کا ہے باغ میں اجارا

بزمِ عشرت پر جہاں کی گوش واکر جائے ختم  
آج یاں دیکھا گیا جو کچھ کل افسانہ ہوا  
کہ کہیں حسرت یہ جیسے بہاں سے کوئی جانے



یار کے کوچے سے اپنا اس طرح جاننا ہوا

کیا کہے حال کہیں غم زدہ جا کر اپنا  
دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دیر اپنا  
اُس گل تر کے بھو بند قبا کھولے تھے  
رنگوں کا برگ کے ناخن ہے معطر اپنا  
دل بہت کھینچتی ہے یار کے کوچے کی زلیں  
لو ہو اس خاک پہ گرنا ہے مقرر اپنا  
تیر خط بھیجے برابر رنگ اڑا جا ہے  
کہ کدھر جا دے کہاں بیٹھے کہو تر اپنا

کیا تیر دل شکستہ بھی وحشی مثال تھا  
دُنیا لہ کر و چشم سیاہ غزال تھا  
سرو اُس طرف کو جیسے گنگا کا تھا کھڑا  
اودھر جو آجھو کے وہ نازک نہال تھا  
کیا میرے روزگار کے اہل سخن کی بات  
ہر ناقص اپنے زعم میں صاحب کمال تھا



کہتے تھے ہم تباہ ہے اب حال میر کا  
دیکھا نہ تم نے اُس میں بھلا کچھ بھی حال تھا

اُن نے کھینچا ہے مرے ہاتھ سے داماں اپنا  
کیا کروں گرنہ کروں چاک گریباں اپنا

ولی عجب شہر تھا خیالوں کا      لوٹا مایہ اسے خوشیوں کا

احوال نہ پوچھو کچھ ہم ظلم رسیدوں کا  
کیا حال محبت کے آزار کشیدوں کا  
شہنشاہی ہے دل اپنا تو گلگشتِ گلستاں میں  
جدول کے کنارے کے توباہ و میدن کا

ہجر کی رائیں بڑی چھوٹی جو ٹک ہوتیں کہیں  
اس میں کچھ نقصان ہوتا تھا مگر ایام کا

اب کیا کریں کہ آیا آنکھوں میں جی ہارا



افسوس پہلے ہم نے ٹک سوچ کر نہ دیکھا

---

ہوا ہے عارفانِ شہر کو عرفان بھی اونڈھا  
کہ ہر درویش ہے مارا ہوا شوقِ الہی کا

---

آنکھوں میں اپنی رات کو خو ناب تھا سو تھا  
جی دل کے اضطراب سے بیتاب تھا سو تھا

---



## دلیف اب

مسلم ہیں رفتہ رُوکے کافر ہیں بستہ رُوکے  
یہ بیچ سے اُٹھے گا کس طور اختلاف اب

طاقتِ تعب کی غم میں تمہارے نہیں ہے اب  
گویا کہ جانِ جسم میں سارے نہیں ہے اب  
مسکن جہاں تھا دل زدہ مسکین کا ہم وہاں  
کل دیر میر میر پکارے نہیں ہے اب

بولا جو موبِ پشاں آنکھلے میر صاحب  
آنا ہوا کہاں سے کہئے فقیر صاحب  
ہر لحظہ اک شہادت ہر دم ہے اک اثبات  
اس عمر میں قیامت تم ہو شریر صاحب

حیف اُس سے حال میرا کہتا نہیں ہے کوئی



نالوں سے شب کے میرے رکھتے تو ہیں خبر  
بجلی سی اک تجلی آنی تھی آسماں سے  
آنکھیں لگا رہے ہیں اہل نظر ادھر سب

تم کس خیال میں ہو تصویر سے جو چپ ہو  
کرتے ہیں لوگ کیا کیا تقریر تیر صاحب

سب آتش سوزندہ دل سے ہے جگر آب  
بے صرفہ کرے صرف نہ کیوں دیدہ تر آب  
پھرتی ہے اڑی خاک بھی مشتاق کسو کی  
سرمار کے کرتا ہے پہاڑوں میں لبر آب  
دل میں تو لگی دوں سی بھریں حنمے سی آنکھیں  
کیا اپنے تئیں روؤں ادھر آگ ادھر آگ  
کس شکل سے اک رنگ پہ رہنا ہو جہاں کا  
رہتی ہیں کوئی صورتیں یہ نقش ہیں بر آب  
اس دشت سے ہو تیر ترا کیونکے گزارا  
تازہ انوترے گل ہے تری تابیہ کمر آب



## ردیفات

شعر کے پرؤے میں میں نے غم سُنا یا ہے بہت  
مرثیے نے دل کے میرے بھی رُلا یا ہے بہت

عجب نہیں ہے نہ جانے جو میر چاہ کی ریت  
سُنا نہیں ہے مگر یہ کہ ”جو گی کس کے میت“  
مستان نمازیوں کو خانہ ساز دیں جانو  
کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں گے میت  
غم زمانہ سے فایغ ہیں ما یہ باختگاں  
قمار خانہ آفاق میں ہے ہا ہی جیت

ہاں شہرِ حُسن میں تو کہیں ذکر بھی نہیں  
کیا جائیے کہ مہر و وفلہے کہاں کی بات  
اختر شناس کو بھی خلل ہے دماغ کا  
پوچھو اگر زمیں ہے کھے آسماں کی بات



کیا لطف، جو سناؤ اسے کہتے پھر اگر و  
یوں چاہیے کہ بھولو وہیں، ہو جہاں کی بات

تجھ سے ہزار اُن نے بنا کر دیے بگاڑ  
مت جان سادگی سے کہ ہے روزگار دوت  
مجھ بے نوا کی یاد رہے میرے یہ صدا  
اس میکدے میں رہتو بہت ہوشیار دوت

لگانا تو درکنار اُن نے نہ کہا ہے یہ آشنا صورت  
آنکھوں میں پڑ گئے، منہ نہ ہو گئی میری تیری کیا صورت

خج حنبت تجھے مجھے دیدار وال بھی ہر اک کی ہے جد قسمت  
زل میں ملانہ لوگوں کو تھی بہاری بھی میری قسمت

بھیلے داغ بھی کھائے بہت دل لگا کر ہم تو پچھائے بہت  
سے سوئے حرم آیا نہ ٹک ہم مزاج اپنا ادھر لائے بہت  
اگل شمس و قمر سارے ہی پر ہمیں ان میں نمکدیں کھائے بہت



وہ جو نکلا صبح، جیسے آفتاب  
 رشک سے گل بھول مر جائے  
 تیرے پوچھا جو میں "عاشق ہو کم"  
 ہو کے کچھ حیلے سے شرانے

کوشش اپنی تھی عبت پر کی بہت  
 کیا کر رہا ہوں ہم چاہتا تھا  
 رک رہا ہے دیر سے تڑپا نہیں  
 عشق نے کیوں دل کو مہلت

دل ہے جدھر کو او دھراک آگ سی لگی تھی  
 اُس پہلو ہم جو لیٹے جل جل گئی ہے کروٹ

سخن غم سے آغوشہ خوں ہے لیکن  
 نہیں لب مرے آشنائے شکایت  
 ہمیں عشق میں تیر چپ لگ گئی ہے  
 نہ شکر و شکایت نہ حرف و حکایت



## دلیفات

یہ ہے لیکن ہویدا نہیں      یہ تصدیع ہوا کی ہے عبث



## دلیف: ج

رشکِ خوبی کا اُسی کے جگرِ مہ میں ہے داغ  
 وہ جواکِ خال پڑا ہے ترے رُخسائے کے بیچ  
 مل گیا چھو لوں میں اس رنگ سے کرتے ہوئے سیر  
 کہ تامل کیے پایا اُسے گلزار کے بیچ



## رویفاح

ہم جانتے تھے تازہ بنائے جہاں کو لیک  
 یہ منزلِ خراب ہوئی ہے کعبہ کی طرح  
 آخر کو اُس کی راہ میں ہم آپ گم ہوئے  
 مدت میں پانی یار کی جستجو کی طرح  
 دھوئے ہیں اشکِ خونی سے دست و دھن کو تیر  
 طور نماز کیا ہے جو یہ ہے وضو کی طرح



## رویفہ

زمین پر میں جو پھینکا خط کو کر بہت  
 بہت ترسپا کیا جوں مرغ پر بہت  
 کرے ہیں شوقِ گلِ خوں دل میں ناچار  
 اسیرانِ شکستہ بال و پر بہت  
 گئے دنِ شکستگی کے باندھنے کے  
 اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پر بہت

نہ دردمندی سے یہ راہ تم چلے، ورنہ  
 قدم قدم پہ تھی یاں جاے نالہ و فریاد  
 چمن میں اُٹھتے ہیں ستاہٹے سے اے بلبل  
 جگر خراش یہ نالے ہیں تیرے منھ سے زیاد  
 ثباتِ قصر و در و بامِ خشت و گل کتنا  
 عمارتِ دلِ درویش کی رکھو بنیاد  
 نظر نہ کرنی طرفِ صید کے و دمِ سبیل



یہ ظلم تازہ ہوا اُس کشندے سے ایجاد

عشق لو ہو پی کیا سب تن میں ہے سو درد درد  
 بھول میری خاک سے نکلیں گے بھی تو زرد زرد  
 کارواں درکارواں یاں سے چلتے ہیں لوگ  
 ہر طرف اس خاکداں میں دیکھتے ہیں گرد گرد  
 دفترِ اعمال میرا بھول جاویں تیرے کاش  
 ہے قیامت اس جریدے کو جو دکھیں فرد فرد

گزرتی ہے کیا تیرے دل پر ترے  
 تو ہوتا ہے ہر لحظہ کچھ زرد زرد



## دلیف :-

گرمی سے گفتگو کی کرے قیاس جاں پر  
 شعلہ ہے شمع ساں یاں ہر اک سخن زباں پر  
 گھر باغ میں بنایا پر ہم نے یہ نہ جانا  
 بجلی سے بھی بڑے گا بھول آکے آشیاں پر  
 تڑپے ہے دل گھڑی بھر تو پیر غش ہے  
 کیا جانوں آفت آئی کیا طاقت توں پر

بیس مارا دل غمون نے کوٹ کر  
 کیا اُجاڑا اس نگر کو کوٹ کر

اے مرغِ چمن صبح ہوئی زمرہ سر کر  
 دم کھینچ تیرے دل سے کوئی ٹکڑے جگر کو  
 ہے بے خبری محکوترے دیکھے سے ساقی  
 ہر لحظہ مری جان بچھے میری خبر کر



جس جاے سراپا میں نظر جاتی ہے اُس کے  
آتا ہے مرے جی میں یہیں عمر بسر کر  
پڑتے نگہ اُس شوخ کی ہوتا ہے یہ احوال  
رہ جاوے ہے جیسے کہ کوئی بجلی سے ڈر کر

تھے جلد تن لطافت عالم میں جاں کے ہم تو  
مٹی میں اُٹ گئے ہیں اس خاکداں میں آکر  
سعی و طلب بہت کی مطلب کے تئیں نہ پہنچے  
ناچار اب جہاں سے بیٹھے ہیں ہاتھ اٹھا کر  
ارمان ہے تھنوں کو دے اب کریں محبت  
ہم تو ہوئے پشیمان دل کے تئیں لگا کر

پڑتی ہے آنکھ ہر دم جا کر صفائے تن پر  
تو جی کیے تھے صدقے اُس شوخ کے بدن پر  
کس طرح میسر جی کا ہم تو بہ کرنا مانیں  
کل تک تھے واغ فی کے سب ان کے پیر ہر پر



ق

سحر گوش گل میں کہا میں نے جا کر  
 کھلے بند مرغِ چین سے ملا کر  
 لگا کہنے فرصت سے پاں یک تبسم  
 اسود بھی گر بیان میں منہ چھپا کر  
 قیامت رہا خطر اب اُس کے علم میں  
 جگر پھر گسارت ہونٹوں پر آ کر

صاف غلطاں خوں میں ہے نجیر یار  
 لے گیا رنگ اُس کے دل سے تیر یار  
 کو تھی کی میرے طولِ عمر نے  
 جوہ میں تو کچھ نہ تھی تقصیر یار

مذہب سے میرے کیا تجھے میرا دیار اور  
 میں اور یار اور مرا کار و یار اور  
 بند سے کو ان فقیروں میں گئے نہ شہر کے  
 صاحب نے میرے بکرو دیا اعتبار اور



اک شور ہے جو عالم کون و فسا دیں  
 ہنگامہ ہے اُسی کے یہ لعلِ خموش پر  
 جو ہے سو مست بادہ و ہم و خیال ہے  
 کس کو ہے یاں نگاہ کسود و نوش پر  
 مرغِ جمن نے کیا حقِ صحبت ادا کیا  
 لالائے گل بکھرے مرے قبرِ پوش پر  
 جب تک بہار رہتی ہے رہتا ہے مست تو  
 عاشق ہیں تیر ہم تو ترے عقل و ہوش پر

کربا غباں حیا تک گل کو نہ ہاتھ میں مل  
 دیتی ہے جان بلبل بھولوں کے رنگ و بو پر  
 حسرت سے دیکھتے ہیں پروانہ ہمصفراں  
 شائستہ بھی ہمارے ایسے ہی تھے کبھو پر



## دویف بس

گلامت توڑ اپنا، اے جرس بس  
 نہیں اس راہ میں غریب درس بس  
 کھو دل کی نہ کہنے پائے اُس سے  
 جہاں بولے، لگا کہنے کہ بس بس  
 گل و گلزار سے کیا قیاس یوں کو  
 ہمیں داغِ دل و کنجِ نفس بس  
 نہ ترساؤ یکایک مارِ ڈالو  
 کرو گے کب ملک ہم پر ترس بس  
 کسو محبوب کی ہو گور پر گل  
 ہمارے خاک کو ہے خار و خس بس

چشم پوشی نہ کر، فقیر ہے میر  
 ہر کی اُس کو اک نظر ہے بس



امیروں تک رسائی ہو چکی بس  
 مری نجات آزمائی ہو چکی بس  
 ہمارے اہلے بھی جو گزری قفس میں  
 تو پھر اپنی رہائی ہو چکی بس  
 لگا ہے حوصلہ بھی کرنے تنگی  
 غموں کی اب سہمائی ہو چکی بس  
 برابر خاک کے تو کر دکھایا  
 فلک بس بے ادائی ہو چکی بس  
 دنی کے پاس کچھ رہتی ہے دولت  
 ہمارے ہاتھ آئی ہو چکی بس  
 گلے میں گیروی کفنی ہے اب تیر  
 تمھاری میسرزائی ہو چکی بس

---



## رویف: ش

پاؤں پڑنا ہے کہیں، آنکھیں کہیں  
اُس کی مستی دیکھ کر جانا ہے ہوش  
کتنے یہ فتنے ہیں موجب شور کے  
خدا و خدو گیسو و نعلِ غموش

طرح خوش، ناز خوش، اُس کی ادا خوش  
خوشا ہم جو نہ رکھے ہم کو نا خوش  
بتوں کے غم میں نالاں جب نہ تب ہوں  
نہ راضی خلق مجھ سے نے خدا خوش  
جہاں تنگ رکنے ہی کی جا تھی  
کوئی دن میں تکلف سے رہا خوش

فکر میں مرگ کے ہوں سرور پیش  
ہے عجب طور کا سفر درپیش



کیا تنگے کو شمع دے دے میرے  
اُس کی شب کو بھی ہے سحر درپیش

---

ہوں تو دریا، پر کیا ترکِ خروشن  
دل کے دل ہی میں کھپائے اپنے جوش

---



## دویف :- ط

شوق سے بات بڑھ گئی تھی . بہت  
دُستِ اُس کو لکھے ہیں ، کیا ہے خط



## ردیف: ط

---

جو وہ ہے تو ہے زندگی میں حظ  
 مزاعمر کا ہے جوانی میں حظ  
 نہیں وہ تو سب کچھ یہ بے لطف ہے  
 نہ کھانے میں لذت نہ پانی میں حظ

---



## دو فاع

یار دشمن ہو گیا اس کے سبب  
ہے متاعِ دوستی بھی کیا متاع



## دیف: غ

اب نہیں سینے میں میرے جائے داغ  
 سوزِ دل سے داغ ہے بالائے داغ  
 دل جلا آنکھیں جلیں، جی جل گیا  
 عشق نے کیا کیا ہمیں دکھلا داغ  
 منفعل ہیں لالہ و شمع و چراغ  
 ہم نے بھی کیا عاشقی میں کھائے داغ

صحبت کسو سے رکھنے کا اُس کو نہ تھا داغ  
 تھا میرے دماغ کو بھی کیا بلا داغ  
 باتیں کرے پرشتگی دل کی پر کہاں  
 کرتا ہے اس دماغ جلے کا وفا داغ  
 دو حرف زیر لب کہے پھر ہو گیا خاموش  
 یعنی کہ بات کرنے کا کس کو رہا داغ



## رویف ف

کیا پیام و سلام ہے موقوف  
 رسم ظاہر تمام ہے موقوف  
 حیرتِ حسنِ یار سے چپ ہیں  
 سب سے حرفِ کلام ہے موقوف  
 روزِ وعدہ ہے ملنے کا لیکن  
 صبح موقوف، شام ہے موقوف  
 دے نہیں ہیں کہ داد لے چھوڑا  
 اب ترحم پہ کام ہے موقوف



## دو فراق

یقین کہوں کہ کیا ہے عشق  
 لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا  
 تدبیر کو نہیں کچھ دخل  
 ن سے جا نہیں کوئی خالی  
 مقصد کو عشق بن پہنچا  
 مرنے پر ہے خواباں پر  
 عشق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق  
 موت کا نام پیار کا ہے عشق  
 عشق کے درد کی دوا ہے عشق  
 دل سے لے عشق تک بھرا ہے عشق  
 آرزو عشق دعا ہے عشق  
 عشق مت کر کہ بد بلا ہے عشق

وصل و جدائی سے ہے مبرا وہ کام جاں  
 معلوم کچھ ہو انہ ہمیں باں سولے شوق  
 کیا پوچھتے ہو شوق کہاں تک ہے ہم کو میر  
 مرنا ہی اہل درد کا ہے انتہائے شوق



# ردیف: ک

ہر چند صرف غم ہیں لے دل جگر سے جاں تک  
 لیکن کبھو شکایت آئی نہیں زباں تک  
 کیا کوئی اُس کے رنگوں گل باغ میں کھلا ہے  
 شور آج بلبلوں کا جاتا ہے آسمان تک



## ردیف: گ

میں ہے ہولے گل کی موج      تیغ خونریز یاد کے سے رنگ  
 ابر بہار نے بھی لیے      اب دل پہ قرآن کے سے رنگ  
 بیا بیاں میں تیر محو ہوئے      ناتواں اک غبار کے سے رنگ



## رویف بل

آپ کے ہزار نگ کل سناں میں آئے گل  
 پر اُس بغیر اپنے توجہ کو نہ بھائے گل  
 چلے بغل میں لے کے گلابی کسو طرف  
 داماں دل کو کھینچے ہے ساقی ہوائے گل  
 پکڑی میں پھول رکھتے ہیں رعنہ جوان شہر  
 داغ جنوں ہی سر پہ رہا یاں بجائے گل  
 بلبل کو کیا سنے کوئی اڑ جاتے ہیں جو اس  
 جب در و دست کہتی ہے دم بھر کے ہائے گل  
 سویا نہ وہ بدن کی نزاکت سے ساری رات  
 بستر پر اُس کے خواب کے کن نے بچائے گل  
 مصروفِ پار چاہیے مرغِ چمن سا ہو  
 دل نذر و دیدہ پیش و جاں فدائے گل  
 چسپاں لباس ہوتے ہیں لیکن نہ اس قدر  
 ہے چاک و شک جامہ سے اس کے قبائے گل



کیا سمجھے لطف چہروں کے رنگ و بہار کا  
بلبل نے اُور کچھ نہیں دیکھا سوائے گل  
تھا و صفائے لبوں کا زبانِ قلم یہ تیر  
بائٹھ میں عند لب کے تھے برگ ہائے گل

کاشد ہوئی جب سے لگا دل  
س سے یاں تئیں آیا کیا حیف  
را خاص مشرب عشق اُس میں  
موں سے تیر بیکانے سے ہوتے

الہی غنچہ ہے پڑ مرودہ، یا دل  
ہے ہم جب تک اُس میں ملو  
ہمیر دل ہے قبلہ دل خدا دل  
جو ہوتا اُس سے کچھ بھی آشنا دل

نہ خوشہ یاں نہ دانہ یاں جلانا کھا س کیا حاصل  
ترا ہے برقِ خاطر اس طرف گزنا ہی حاصل  
سکندر ہو کے مالک سات اقلیموں کا آخر کو  
کیا دستِ تہی لے یاں سے، یہ کچھ کر کیا حاصل  
بلا تخطِ مروت ہے کہ ہے محضواں غلتے پر  
کہیں سے چارہ دانے لاؤ، لبوں جا بجا حاصل  
یہ کھینچیں کیونکہ نقصاں ہم تو قیدی ہیں تھیں کے



خودی سے کوئی نکلے تو اُسے ہوئے خدا صیل  
 پھر امتِ تمیر سر اپنا گراں گوشوں کی مجلس میں  
 سُننے کوئی تو کچھ کہتے بھی اس کہنے سے کیا صیل

---



## ردیف: م

اپنے خیال ہی میں گزرتی ہے اپنا عمر  
پرچہ پوچھو سمجھ نہیں جانتے ہم سے ہم

سر زیر پر ہیں دیر سے اے مصفیہ ہم  
واقف نہیں ہوائے چمن سے اسپر ہم

دن گزرتا ہے دم شماری میں      شب کو رہتے ہیں گنتے تارے ہم  
تیر آؤ گے آپ میں بھی کبھو      سخت مشتاق ہیں تمھارے ہم

تیر آج وہ بدست ہے ہر شیار رہو تم  
ہے بے خبری اس کو خبر دار رہو تم  
جی جانے کسوکا کہ رہے تم کو قسم ہے  
معدور تلک درپے آزار رہو تم  
وہ محو جال اپنا ہے پروا نہیں اس کو



خواہاں رہو تم اب کہ طلبِ کار رہو تم  
اس معنی کے ادراک سے چرت ہی ہے وصل  
آئینہ نمطِ صورتِ دیوار رہو تم

وعدہ کرو تو سوچ لو مدت کو دل میں بھی  
یہ حال ہے تو دیر رہیں گے کہاں سے ہم

ہر دمِ جبیں خراشی، ہر آنِ سینہ کاوی  
حیرانِ عشق تو ہیں پر گرمِ کار ہیں ہم  
خویر و قصور و غلماں، نہر و نعیم و جنت  
یہ کلمہ جہنم، مشتاقِ یار ہیں ہم  
اب سیلِ سیل آنسو آتے ہیں چشمِ تر سے  
دیوار و در سے کہ وہ بے اختیار ہیں ہم  
یسا ہے میرِ عبرت جو کوئی دیکھتا ہے  
کیا یار کی گلی میں بے اعتبار ہیں ہم

ہر ہر سخن پہ اب تو کرتے ہو گفت گو تم



ان بد مزاجیوں کو چھوڑ دے بھی کبھو تم  
 یاں آپنی آپ آکر گم آپ میں ہوئے ہو  
 پیدا نہیں کہ کس کی کرتے ہو جستجو تم  
 چاہیں تو تم کو چاہیں، دیکھیں تو تم کو دیکھیں  
 خواہش دلوں کی تم ہو، آنکھوں کی آرزو تم  
 نسبت تو ہمدگر ہے گو دور کی ہو نسبت  
 ہم ہیں نواے بلبلی، ہو گل کی رنگ و پتہ

---



## دلیف بن

ساتھ اپنے نہیں اسبابِ مساعدِ مطلق  
ہم بھی کہنے کے تئیں عالمِ اسباب میں ہیں  
فطرتِ دل سے ستم گزرے ہیں سو موت پوچھو  
قلے چلے کو طیار ہیں ہم خواب میں ہیں

کہے تو ہنشتیں رنگِ تصرفِ تک دکھاؤں میں  
الگ بیٹھا خاندانِ بندوں کو آنکھوں میں رجاؤں میں  
نگاہِ حسرتِ بہت دیر سے جانے کی مانع ہے  
مزارِ اپنا بہت چاہا کہ سوئے کعبہ لاؤں میں

روچکا خونِ جگر سب، اب جگر میں غم کہاں  
غم سے پانی ہو کے کب کا بہ گیا، میں سوں کہاں  
دست و دامن، جیبِ آغوش اپنے اس قابل نہیں  
پھول میں اس باغِ خوبی سے جوں تو لوں کہاں



عاشق و معشوق یاں آخرِ فسانہ ہو گئے  
 جائے گریہ ہے جہاں، لیلیٰ کہاں مجنوں کہاں  
 کھا گیا اندوہ مجکو دوستانِ رفتہ کا  
 دھونڈتا ہے جی بہت پر اب اُنھیں پاؤں کہاں  
 سیر کی نگیں بیاضِ یغ کی ہم نے بہت  
 سرو کا مصرع کہاں وہ قامتِ موزوں کہاں

عشق نے خوار و ذلیل کیا، ہم سر کو بکیرے پھرتے ہیں  
 سوز و درد و داغ و الم سب چھی کو بکیرے پھرتے ہیں  
 برسے اگر شمشیر سروں پر منہ موڑیں نہ ہمار نہیں  
 سیدھے جانے والے اُدھر کے کس کے پھیرے پھرتے ہیں  
 نقشِ کسو کا درونِ "سینہ گرمِ طلب" ہے ویسے رنگ  
 جیسے بے تصویرِ خیالی باس چترے پھرتے ہیں

جمع ہوتے نہیں حواس کہیں      جائیں یاں سے جو ہم اُداس کہیں  
 دل کی دوا شک سے نہ نکلی بھڑاس      اوسوں بچھنے سنی ہے پیاس کہیں

سے مصوٰر یا نقاش۔ نیز وہ لوگ جو ظروفِ مسی وغیرہ صاف کرتے ہیں۔



اس جنوں میں کہیں ہے سر پر خاک  
 عرش تک تو خیال پہنچا میر  
 ٹکڑے ہو کر گیا لب اس کہیں  
 وہم پھر ہے کہیں، قیاس کہیں

جائیں تو جائیں کہاں، جو گھر رہا کیا گھر رہا  
 یار بن لگتا نہیں جی کاش کہ ہم مر رہا  
 بے دماغی بے قراری، بے کسی، بے طافی  
 کیا جئے وہ جس کے جی کو روگ یہ اکثر رہا  
 مضطرب ہوا ایک دو دم تو تدارک بھی ہو گچھ  
 متصل تر ہے ہے، کب تک ہا تمہیل پڑا  
 زندگی دوہر ہوئی ہے میرا آخر تا کجا  
 دل جگر خلتے رہیں آنکھیں تار ہی تار رہا

کہاں کے لوگ ہیں خواہاں محبت ان کو نہیں  
 مر رہا بھی ہم تو نہ دیکھیں، مر و ت ان کو نہیں  
 خراب و خوار ہیں سلطان شکستہ حال امیر  
 کس فقیر سے شاید کہ صحبت ان کو نہیں



ظلم و ستم کیا، جو رو جفا کیا، جو کچھ کہتے اٹھاتا ہوں  
 خفت کھینچ کے جاتا ہوں، رہتا نہیں دل بھرتا ہوں  
 آنے کی میرے فرصت کتنی، دودم، دوپل، ایک گھڑی  
 رنجش کیوں، کاہے کو خوشونت، غصہ کیا میں جاتا ہوں  
 پھاڑ کے خط کو گلے میں ڈالا، شہر میں سب تشہیر کیا  
 سامنے ہوں قاصد کے کیوں کر، اُس سے میں شرماتا ہوں  
 پہلے فریب لطف سے اُس کے کچھ نہ ہوا معلوم مجھے  
 اب جو چاہ نے بدلیں طرحیں کڑھتا ہوں، بچاتا ہوں

کبھو ملے ہے سو وہ یوں کہ بھر ملانہ کریں  
 کوسے ہے آپنی شکایت کہ ہم گلا نہ کریں  
 ہمارے حرف پریشاں ہی لطف لکھتے ہیں  
 جنوں ہے بحث جو وحشت میں عاقلانہ کریں  
 صفائے دل جو ہوئی ٹک تو دیکھے ہیں کیا کیا  
 ہم ایسے آئنے کو اپنے کیوں جسدانہ کریں  
 وبال میں نہ گرفتار ہوں کہیں مہ و مہر  
 خدا کرے ترے رخ سے مقابلانہ کریں



یہ تصرفِ عشق کا ہے سب، وگرنہ ظرف کیا  
ایک عالمِ غم سما یا خاطرِ ناشادیں

درویشوں سے تو ان نے ضدیں نکالیں ہیں  
ایدھر سے ہیں دعائیں، اودھر سے گالیاں ہیں  
صبحِ چمن کا جلوہ ہندی بتوں میں دکھیا  
صندل بھری جیس ہے، ہونٹوں کی لالیاں ہیں  
ان گلِ رخوں کے قامت لہکے ہیں یوں ہو ہیں  
جس رنگ سے چلکتی پھولوں کی ڈالیاں ہیں  
اُس آفتابِ بنیاں اندھیر ہو رہا ہے  
دن بھی سیاہ اپنے جوں راتیں کالیاں ہیں  
چلتے ہیں یہ تو ٹھوکر لگتی ہے میرے دل کو  
چالیں ہی دلبروں کی سب سے نرالیاں ہیں

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں  
ساتھ اس کا رواں کے ہم بھی ہیں  
جس چمن زار کا ہے تُو گلِ تر



بلیبل اُس بوسناں کے ہم بھی ہیں  
 و جبر بیگانگی نہیں معلوم  
 تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں  
 اُس سرے کی ہے پار سانی میر  
 معتقد اس جواں کے ہم بھی ہیں

نئی گردش ہے اُس کی ہر زماں میں  
 خلل سا ہے دماغ آسماں میں  
 کہا میں درِ دول با آگ اُگلی  
 پچھو لے پڑ گئے میری زباں میں  
 تری شورش بھی بیکل ہے مگر میر  
 ملا دی پس کر بجلی فغاں میں

تری پلکیں چھتی نظر میں بھی ہیں  
 یہ کانٹے کھٹکنے جگر میں بھی ہیں  
 رہے پھرتے دریا میں گردِ آب سے  
 وطن میں بھی ہیں ہم سفر میں بھی ہیں



نہ بھولو نزاکت، بچک ہی نہیں  
 چھری خنجر اُس کی کمر میں بھی ہیں  
 جھمک سطح رخ کی سی اُس کی کہاں  
 صفا و خبیثا تو گھر میں بھی ہیں  
 دل و دلی دونوں میں گرچہ خراب  
 یہ کچھ لطف اس اجر سے نگر میں بھی ہیں

زبانیں بدلتے ہیں ہر آن خواباں  
 یہ سب کچھ ہیں بگڑے زمانے کی باتیں  
 بہت ہر زہ کوئی کئی یاں تیر صاحب  
 کرو کچھ وہاں منہ دکھانے کی باتیں

کچھ نہیں پوچھا ہے مجھ سے جز حدیثِ اوئے یار  
 ہاتھ بلبیل کے لگا ہوں باغ میں جب تیر میں

کہتے ہیں بہار آئی گل قبول نکلتے ہیں  
 ہم گنجِ قفس میں ہیں دل سینوں میں جلتے ہیں



اب ایک سی بے ہوشی رہتی نہیں ہے ہم کو  
 کچھ دل بھی سمجھاتے ہیں، پھر دیر سمجھاتے ہیں  
 کرتے ہیں صفت جب ہم لعل لبِ جاناں کی  
 تب کوئی ہمیں دیکھے کیا لعل اگلے ہیں

کچھ تمھیں ملنے سے بیزار ہو میرے، ورنہ  
 دوستی تنگ نہیں، غریب نہیں، غار نہیں  
 ناز و انداز و ادا، عشوہ و اغماض و حیا  
 آب و گل میں تری سب کچھ ہے، یہی پیار نہیں

بھرے ہستے ہیں تانے بھولی ہی جس کے گریبان میں  
 وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں جگر کے میرے داماں میں  
 جہاں سے دیکھیے اک شرِ شورا نگیز نکلے ہے  
 قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں  
 ستم کے تیراُس کے میرے سینے میں بہت ٹوٹے  
 کیا جاتا ہے شکلِ فرق اب دل اور تپکایں میں



تھا شوق مجھے طالب دیدار ہوا میں  
 سو آئینہ ساں صورت دیوار ہوا میں  
 جب دُور گیا قافلہ تب چشم ہوتی باز  
 کیا پوچھتے ہو، دیرِ خسرو دار ہوا میں  
 اب پست و بلند ایک ہے جوں نقش قدم یاں  
 پامال ہوا خوب تو ہموار ہوا میں  
 کب ناز سے شمشیرِ ستم اُن نے نہ کھینچی  
 کب شوق سے مرنے کو نہ طیار ہوا میں

جلا از بس تمھارے طور سے اے جامہ زیبائوں  
 بھروسہ کیا ہے میرا میں چراغِ زرد اماں ہوں

عشق وہ خانماں خراب ہے میاں  
 جس سے دل آگ، چشمِ آب ہے میاں  
 تن میں جب تک ہے جاں تکلف ہے  
 ہم میں اُس میں ابھی حجاب ہے میاں  
 لطف و مہر و وفا وہ کیا جانے



ناز ہے، خشم ہے، عتاب ہے میاں  
 چشم وایاں کی چشمِ بسمل ہے  
 جاگنا یہ نہیں ہے، خواب ہے میاں  
 چاہیے وہ کھے سو لکھ رکھیں  
 ہر سخنِ مستِ کا کتاب ہے میاں

گرفتہ دل ہوں سرِ ارتباطِ مجکو نہیں  
 کسو سے شہر میں کچھ اختلاطِ مجکو نہیں  
 کرے گا کون قیامت کو رہیماں بازی  
 دل و دماغ گزارِ صراطِ مجکو نہیں  
 ہوا ہوں فرطِ اذیت سے میں تو سن لے میر  
 تمیزِ رنج و خیالِ نشاطِ مجکو نہیں

کیا کہوں مُنہ تک جگر آتا ہے جب رکتا ہے دل  
 جاں میری تن میں کیسی کیسی گھبراتی ہے میاں

ہم تو بھی فصلِ گل میں چل ٹک تو پاس بیٹھیں



سر جوڑ جوڑ کیسے کلیاں نکلتیاں ہیں

ہمارا آئی کھلے گل پھول شاید باغ و صحرا میں  
 جھلک سی مارتی ہے کچھ سیاحی داغ سوا میں  
 سخن دس پانچ یاں ہیں جمع کس حسن لطافت سے  
 تفاوت ہے مرے مجموعہ و عقد ثریا میں  
 کنواں دیکھانہ کوئی غار میں نے شوق کے مارے  
 بعینہ راہ اندھا سا چلا اُس کی تمنا میں

شہروں میں ملکوں میں جو میر کھاتا ہے میاں  
 دیدنی ہے یہ بہت کم نظر آتا ہے میاں  
 عالم آئینہ ہے جس کا وہ مصوّر بے مثل  
 ہائے کیا صورتیں پر دے میں بناتا ہے میاں  
 قسمت اُس بزم میں لائی کہ جہاں کا ساقی  
 دے ہے مئی سب کو ہمیں زہر بلا تا ہے میاں  
 ہو کے عاشق ترے جان و دل و دیں کھو بیٹھے  
 جیسا کرتا ہے کوئی ویسا ہی پاتا ہے میاں



حُسنِ اکِ چیز ہے ہو دین کہ تو ہو ناصح  
ایسی شے سے کوئی بھی ہاتھ اٹھاتا ہے میاں

جائے ہے جی نجات کے غم میں  
آپ میں ہم نہیں تو کیا ہے عجب  
ایسی جنت کئی جہنم میں  
دُور اُس سے رہا ہے کیا ہمیں  
بجودِی پر نہ میسر کی جاؤ  
تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

جس کا خواباں خیال لیتے ہیں  
کیا نظر گاہ ہے کہ شرم سے گل  
دل کلیجا نکال لیتے ہیں  
سر گریباں میں ڈال لیتے ہیں  
ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں  
ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں  
ہیں گدا میر بھی ولے دوہا  
کر کے ایک ہی سوال لیتے ہیں

کس کس ادا سے رینختے ہیں نے کلمے ولیک  
سمجھانہ کوئی میری زباں اس دیار میں  
ترپے ہے متصل وہ کہاں ایسی روز و شب  
ہے فرق میر برق و دل بے قرار میں



کبھی وفا و الفت کھاتے عبت ہو قسمیں  
 مدت ہوئی اٹھا دیں تم نے وہ ساری رسمیں  
 گھبرا کے یوں لگے ہے سینے میں دل ٹپنے  
 جیسے ایسے تازہ بے تاب ہو قفس میں  
 اب لاغری سے دے ہیں ساری لگیں دکھائی  
 پر عشق بھرا ہے ایک ایک میری نن میں

مرنا ہے خاک ہونا، ہو خاک اڑتے پھرنا  
 اس راہ میں ابھی تو درپیش مرحلے ہیں  
 کس دن چمن میں یارب ہوگی صبا گل افشاں  
 کتنے شکستہ پرہم دیوار کے تلے ہیں  
 پست و بلند دیکھیں کیا میر پیش آئے  
 اس دشت میں ہم اب تو سیلاب سے چلے ہیں

شر سے اشک ہیں اب چشم تر میں  
 نگین عاشق و معشوق کے رنگ  
 لگی ہے آگ اک میرے جگر میں  
 حذار ہے ہیں ہم دے ایک مگر میں  
 بنا ہنگامہ تھا کل اُس کے در پر  
 قیامت گم ہوئی اس شور و شر میں



بگوئے کی روشِ وحشتِ زدہ ہم رہے برچیدہ دامنِ اس بفریں  
 رہا تھا دیکھا و دھر میر چلتے عجب اک نا اُمید می تھی نظریں

اثر ہوتا اگر اپنی دعا میں لگ اُٹھتی آگ سب ارض و سما میں  
 ضعیف و زار تنگی سے ہیں ہر چند و لیکن میر اُڑتے ہیں ہوا میں

بھمکنے لگا خون جاے سرشک ابھی دیکھیں آنکھیں میں کہا دلی میں  
 خدا ساز تھا آذر بہت تراش ہم اپنے نہیں آدمی تو بتا میں  
 ہمیں سبے نیاز سی نے بھٹلا دیا کہاں اتنی طاقت کہ منت اُٹھا میں  
 کہیں میر عشق مجاز می ہے بد حقیقت ہو معذو بہ گردن لگائیں

ایکے ماہِ رمضان دیکھا تھا بیابان میں  
 بارے سب روزے تو گز رہے مجھے مخافے میں  
 جیسے بجلی کے چمکنے میں کسو کی سدا جاے  
 بخو دی آئی اچانک ترے آجانے میں  
 حق جو چاہے تو بندھی مٹھی پلا جاؤں گو  
 مصالحت دیکھی نہ میں ہاتھ کے پھیوانے میں



میں ناکش تھا صبح کو بادِ حبیب میں  
 سوراخ بڑ گئے جگر عندِ لب میں  
 دل خستہ چشم بستہ و روزِ دست پہ گرد  
 حیرت ہے ہم کو تیر کے حالِ عجیب میں

یاں جلسے شمعِ بزم، اقامت نہ کر خیال  
 ہم دل کباب پر دے میں سرگرمِ راہ میں  
 کہنا نہ کچھ کبھو، کھڑے حسرت سے دیکھنا  
 ہم شہنی ہیں واقعی، گو بے گناہ ہیں  
 کہ مہرباں ہوں دُور سے آنکھیں پھیر لیں  
 معشوق آفتاب ہیں، عشاق ماہ ہیں

مچکو دباغ و صفِ گل و یا سمن نہیں  
 میں جوں نسیم بادِ فروشِ چمن نہیں  
 پہنچا نہ ہو گا سنبلِ مقصود کے تنیں  
 خاکِ رہ اُس کی جس کا عبیرِ کفن نہیں  
 ہم کو خراصِ ناز سے مرستِ خاک میں ملا



دل سے ہے جن کو راہ یہ ان کا چین نہیں  
کل جا کے ہم نے میر کے ہاں یہ سنا جواب  
مدت ہوئی کہ یاں تو وہ غربت و وطن نہیں

روز اک ظلم نیا کرتے ہیں یہ دہر اور  
روز کہتے ہیں ستم ترک ہم اب کرتے ہیں  
وہ آپ چل کے آوے تو شاید کہ جی رہے  
ہوئی نہیں تسلی دل اب خیر سے پاں

مصع کوئی کوئی کبھی موزوں کروں ہوں یا  
کس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں  
بات اپنے دھب کی کوئی کرے وہ تو کچھ کہوں  
بیٹھا خموش سامنے ہوں ہوں کروں ہوں میں

تا چند وہ ستم کرے ہم در گزر کریں  
اب جی میں ہے کہ شہر سے اُس کے سفر کریں  
کب تک ہم انتظار میں ہر لحظہ بے قرار



گھر سے نکل نکل کے گلی میں نظر کریں  
 لاویں کہاں سے خونِ دل اتنا کہ میرہم  
 جس وقت بات کرنے لگیں چشمِ تہ کریں

---



## دولیف ب۔ و

قتل کے پر غصہ کیا ہے، لاش مری اٹھوانے دو  
جان سے ہم بھی جاتے رہے ہیں، آؤ تم بھی جانے دو  
جان سلامت لے کر جاوے کعبے کو تو سلام کریں  
ایک جراحت اُن ہاتھوں کا صیدِ حرم کو کھلنے دو  
ایکے بہت ہے شور بہاراں ہم کو مت نہ بخیر کرو  
دل کی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں، دھو میں ہم کو بچانے دو  
گرتے ہو تم بھی نظریں، یہ بھی کوئی مروت ہے  
برسوں سے پھرتے ہیں جُدا ہم آنکھ سے آنکھ ملانے دو  
کیا جاتا ہے اس میں ہمارا چپکے ہم تو بیٹھے ہیں  
دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا، ناصح کو سمجھانے دو  
ضعف بہت ہے میر تمہیں، ٹک اس کی گلی میں مت جاؤ  
صبر کرو کچھ اور بھی صاحب، طاقت جی میں آنے دو

دوست رکھتا ہوں بہت اپنے دل بہار کو



خوں کیا ہے مدّتوں اس میں غمِ بسا، کو  
 جب کبھو ایدھر سے نکلے ہے تو اک حسرت کے ساتھ  
 دیکھے ہے خورشید اُس کے سایہ دیوار کو  
 خوچکاں شکوے ہیں دل سے تازباں میری، مگر  
 ہی لیا ہے تو کہے، میں نے لبِ اظہار کو  
 عاشقی وہ روگ ہے جس میں کہ ہو جاتی ہے پارسا  
 اچھے ہونے کم سنا ہے میرا اس آزار کو

تم بنِ جن کے گل نہیں چڑھتے نظر کبھو  
 یہ کیا روش ہے، آؤ چلے ملک ادھر کبھو  
 دریا سی آنکھیں بہتی ہی رہتی تھیں سو کہاں  
 ہوتی ہے کوئی کوئی پلک اب تو تر کبھو  
 غم کو تمہا، سے دل کے نہایت نہیں ہے میر  
 اس قصے کو کرو گے بھی تم مختصر کبھو

یہ سراسونے کی جاگہ نہیں، بیدار رہو  
 ہم نے کر دی ہے خبر تم کو خبردار رہو



لاگ اگر دل کو نہیں، لطف نہیں جینے کا  
 اُبھے سُلجھے کسی کا کل کے گرفتار رہو  
 گرچہ وہ گوہر تر ہاتھ نہیں لگتا، لیک  
 دَم میں دَم جب تئیں ہے اُس کے طلبگار رہو  
 سارے بازارِ جہاں کا ہے ہی مول اے تیر  
 جان کو بیچ کے بھی دل کے خریدار رہو

کرنا شعارِ خوب ہے عجز و نسیا ز کو  
 بے وقار جانتے ہیں دل بے گداز کو  
 جوں شمع سرکٹے ہے بیاں حال کا کیے  
 لانا زباں پہ خوب نہیں دل کے راز کو  
 صوفی کی پار سانی کی ہے خانقہ میں دھوم  
 لے چلیے گا کبھو اُدھرا س مسرتِ ناز کو

دل ایک تڑپنے میں پرے عشق کے پایا  
 اس طائرِ بے بال کی پرواز تو دیکھو  
 سب تیر کو دیتے ہیں جگہ آنکھوں پر اپنی



اس خاکِ رہِ عشق کا اعتراف از تو دیکھو

آر سی اُس کے سامنے دھرو      کب ہے ویسی مواجہ  
اُس کی تیغِ ستم بلند ہوئی      جی ہے مرنے کو تو چلو  
کیا بلا خیر جا ہے کوچہ عشق      تم بھی یاں میر مول اک

کھینچنا رنج و تعب کا دوستاں عادت کرو  
تب کسی نا آشنا سے مرے الفت کرو  
پہلے دیوانے ہوئے پھر تیرا رخ ہو گئے  
ہم نہ کہتے تھے کہ صاحبِ عاشقی تم مت کرو

بہر فردوس ہو آدم کو الم کا ہے کو  
وقفِ اولاد ہے وہ باغِ توغم کا ہے کو  
یہ بھی اک ڈھب ہے نہ ابدانہ کسی کو راحت  
رہم موقوف کیا ہے تو ستم کا ہے کو  
چشم پوشی کا مری جان نہیں بپکا ہے  
کھانے ہو دیدہ درائی سے قسم کا ہے کو



دل کو کہتے ہیں کہ اُس گنج رواں کا گھر ہے  
 اس خرابے میں کرے ہے وہ کرم کا ہے کو  
 شور نے نامِ خدا اُن کے بلا سر کھینچا  
 تیر سا ہے کوئی عالم میں علم کا ہے کو

بارے دُنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو  
 ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو  
 ہم کو دیوانگی شہروں ہی میں خوش آتی ہے  
 دشت میں قیس رہو، کوہ میں فرہاد رہو  
 تیر بل بل کے بہت خوش ہوئے تم سے پیارے  
 اس خرابے میں مری جان تم آباد رہو

نرمی مخالفوں سے، سختی موافقوں سے  
 واں موم سے بنے ہو یاں بوسے سے کٹے ہو  
 ہوتے ہیں خاکِ رہ بھی لیکن نہ تیر ایسے  
 رستے میں آدھے دھڑ تک مٹی میں تم گڑے ہو



کیا آنکھ بند کر کے مراقب ہوئے ہو تم  
 جاتے ہیں کیسے کیسے سے چشم واکرو  
 موقوف ہر زہ گردی نہیں کچھ قلندری  
 زنجیرِ سرائے کے زنجیرِ پا کرو  
 ہر چند اس شمع کی اب قدر کچھ نہیں  
 پر جس کسو کے ساتھ ہو تم وفا کرو  
 تدبیر کو مزاجِ محبت میں دخل کیا  
 جاں کاہ اس مرض کی نہ کوئی دوا کرو

کب میسر اُس کے مُنہ کا دیکھنا آتا ہے تیر  
 پھول گل سے اپنے دل کو تم بھی بہلایا کرو

کہتا ہے کون تیر کہ بے اختیار رو  
 ایسا تو رو کہ رونے پر تیرے مہنسی نہ ہو  
 پایا گیا وہ گوہرِ نایاب سہل کب  
 نکلا ہے اُس کو ڈنڈھ نے تو پہلے جان کھو  
 سنتے نہیں جو کہتے، نہ کہتے تو دم کے



کچھ پوچھیے نہ قصتہ ہمارا ہے گو گو گو

جہاں دیکھو کہا کرتے ہیں اُس کے عشق کے غم میں  
 ہم دو چار بیٹھے دل شکستہ اپنے حالوں کو  
 نہ چشمِ کم سے مجھ درویش کی آوارگی دیکھو  
 تبرک کرتے ہیں کانٹے میرے پاؤں کے جھالوں کو  
 کرے ہے جس پہ بلبلِ غش سو یہ اُس جنس کی قیمت  
 نہیں افسوس آنکھیں بے حقیقت بھول والوں کو

حاصل کوئی اُمید ہوئی ہو تو میں کہوں  
 خوں ہی ہوا کیے ہیں مرے دل میں سایے چائے  
 آعاشقوں کی آنکھوں میں ٹمک اے بدلِ قریب  
 ان منظروں سے بھی ہے بہت دُور تک دکھاؤ  
 صحبت جو اُس سے رہتی ہے کیا نقل کر دے ہائے  
 جب آگئے ہیں ہم تو کہا اُن نے یاں سے جاؤ

دل کہے میں ہو تو کا ہے کو کوئی بیتاب ہو



آنکھ کا لگنا نہ ہو تو اشک کیوں خواب ہو  
 لطف سے اے ابرِ رحمت ایک دوبارہ  
 بکشتِ نذر دنا امیدیں بھی تو ٹک سیراب ہو

---



## دلیف :- ۵

رکھ مُنہ کو گل کے مُنہ پر کیا غنچہ ہو کے سوتی  
 ہے شوخ چشمِ شبنم اس کو ادب نہیں کچھ  
 یہ حال بے سبب تو ہوتا نہیں ہے؛ لیکن  
 رونے کا لمحہ لمحہ ظاہر سبب نہیں کچھ

رستے سے چاکِ دل کے ہوا گاہ      یا ر تک پھر تو کس قدر ہے راہ  
 آنکھ اُس مُنہ پہ کس طرح کھولوں      جوں پلک جل رہی ہے میری نگاہ  
 ہیں سلمان ان بتوں سے ہمیں      عشق ہے لا الہ الا اللہ

ہے تمنائے وصال اُس کی مری جان کے ساتھ  
 جان ہی جائے گی آخر کو اس ارمان کے ساتھ  
 کیا فقط توڑ کے چھپاتی ہی گیا تیرا اُس کا  
 کے گیا صاف مرے دل کو بھی پیکان کے ساتھ  
 بھر پور تھرپہ بھرستے ہیں ہر ابرہ ہی ابر



ہمیش ہر اک سے کریم آتے ہیں احسان کے ساتھ  
 تیراُس کا جو گزر دل سے چلا، جی بھی چلا  
 رسمِ تعظیم سے ہو لیتے ہیں مہمان کے ساتھ  
 آدمیت سے نکھیں مسر ہو کیونکر بہرہ  
 تم نے صحبت نہیں رکھی کسوا انسان کے ساتھ

کیا مرے طول پریشانی کی حیرت ہمنفس  
 آنکھیں تو دی ہیں خدا نے اُس کے لمبے بال دیکھ  
 دامنِ صحرا میں کیا وسعت ہے جو دل میں نہیں  
 موند کر آنکھیں گریباں میں بھی ٹک سڑال دیکھ

آنکھیں جو ہوں تو عین ہے مقصود ہر جگہ  
 بالذات ہے جہاں میں وہ موجو د ہر جگہ  
 واقف ہو شانِ بندگی سے قیدِ قبلہ کیا  
 ستر ہر کہیں ٹھجکا کہ ہے مسجود ہر جگہ  
 ہیں دلی لکھنؤ کے خوش اندام خوب لیک  
 راہِ وفا و مہر ہے مسدود ہر جگہ



پھرتی ہے اپنے ساتھ لگی متصل فنا  
 آبرو اں سے ہم ہوئے نابود ہر جگہ  
 سوداے عاشقی میں توجی کا زیان ہے  
 پھرنے ہیں تیرے ڈھونڈتے ہی سود ہر جگہ

اب خوشامد اُنھیں کی آٹھ پر کرتے ہیں  
 گفتگو تیر کو جن لوگوں سے تھی غائے ساتھ

نہ باتیں کرو سیرگرا نی کے ساتھ      مری زلیبت ہے مہربانی کے ساتھ  
 کہے میں نے اشعار ہر بحر میں      ولیکن قیامت روانی کے ساتھ  
 بکھرے ہے جوں تختِ دل آہ صبح      ہوا کب ہے اس کلفشانی کے ساتھ

اثر ہوتا تو کب کا ہو بھی چکتا      دعاے صبح سے اب ہاتھ اٹھایا

کیا کریں نیچی نظر کرنے سے غصہ کھائے وہ  
 اور مجلس میں جو رہتے دیکھ تو شرمائے وہ



## رویفابی

بے پردہ نہ ہونا تھا اسرارِ محبت کو  
عاشقِ نکستی ہے، جب سے ہے عشق کی سوائی  
کیا عہدہ برآئی ہو اُس گل کی دورنگی سے  
ہر کھٹے خود رانی ہر آن ہے رعنائی

لطف کہاں وہ بات کیے پر پھول سے جھڑنے لگ جاویر  
سُرخ کلی بھی گل کی اگرچہ یار کے لعل لب سی ہے  
خانہ خراب ہو خواہشِ دل کا، آہ نہایت اس کو نہیں  
جان لبوں پر آتی ہے، تو بھی گرمِ طلب سی ہے

اک گردن سے سو حق باندھے کیا کیا کرے ہوں جواد  
مُدّت اُس پر ایک نفس، چوں صبح، ہماری فرصت کی

قدرِ کفرِ اسلام سے زائد جانی سببِ فردوسی سے



بکھتے کہیں بازار میں تو نے گہ زُتار کو دیکھا ہے؟

کچھ چیز مال ہو تو خسریدار ہو کوئی  
دُنیا کی قدر کیا کہ متاعِ قلیل ہے

برسوں گزرے ہیں ملے کبتیں یوں پایا ہے  
دُور سے دیکھ لیا اُس کو تو جی مار رہا ہے  
مرگ کے حال جُدائی میں جیسے یوں کبت تک  
جاں بے تاب رہے دل کو اک آزار رہا ہے

حجم طائر بے پر ہیں دے جن کو بہاراں میں  
گلشتِ گلستاں کا شوق اور اسیری ہے

سونو دروں نے آخر جی ہی کھپا دیا ہے  
ٹھنڈا دل اب ہے ایسا جیسے بجھا دیا ہے  
اب نیند کیونکے آوے گرمی نے عاشقی کی  
دل ہے جدھر وہ پہلو سارا جلا دیا ہے



حرفِ غلط تھے کیا ہم صفحے پہ زندگی کے  
جو صاف یوں قضائے ہم کو مٹا دیا ہے  
کڑھتے ہمیشہ رہنا ہم کو بغیر اس کے  
کیا روگ دوستی نے جی کو لگا دیا ہے

ہم چمن میں گئے تھے وا نہ ہوئے نکمٹ گل سے آشنا  
سرِ کسو سے فرو نہیں آنا جیف بندے ہوئے خدا  
کیا کیا قفس سے سہارا موسمِ گل میں ہم رہا

اس عرصے سے گیا ہو کہیں کوئی تو کہیں  
جل پھر کے لوگ یاں کے ہیں سارے رہ گئے  
تسبیحیں ٹوٹیں، خرقے مصلے پھٹے جلے  
کیا جانے خانقاہ میں کیا میر کہ گئے

ونگ لیتی ہے سب ہوا اس کا اُس سے باغ و بہار ہر  
لوگ نگہ کر کے اُن نے مول لیا بک گئے آہ ہم بھی کیا  
میر جنگل پڑے ہیں آج جہاں لوگ کیا کیا نہیں تھے کل



## غزل در سربازی

سب شرم جبین یا سے پانی ہے      ہر چند کہ گل شکفتہ پیشانی ہے  
جوں آئنے سامنے کھڑا ہوں یعنی      تو بی سے تیرے چہرے کی چرائی ہے  
کل سیل سا جوشاں جو ادھر آتا میر      سب بولے کہ یہ فقیر سیلانی ہے

جی کے لگنے کی تیر کچھ کہہ بھی      ہے وہی بات جس میں ہوتہ بھی

ہست روئے ہمارے دیدہ ترا نہیں کھلتے  
متاع آب دیدہ ہے کوئی اس کو ہوا دیوے

اپنا اپنا ہے ذائقہ ہم کو      بوٹہ کنج لب ہی بھاتا ہے  
آتش عشق جس کے دل کو لگی      شمع ساں آپ ہی کو کھاتا ہے  
میری تو ہے پلک سے چھوٹی نگاہ      اور وہ اس پر منہ چھپاتا ہے  
تیر صناع ہے ملو اس سے      دیکھو تو باتیں کیا بناتا ہے

شائستہ غم و ستم یار ہم ہوئے  
عاشق کہاں ہوئے کہ گنہگار ہم ہوئے



پامال یوں کیا کہ برابر ہیں خاک کے  
کیا ظلم ہو گیا کہ طلب گار ہم ہوئے

تعارف کیا رہا اہل چین سے ہوئی اک عمر میں  
کہیں سو کیا کہیں سر پر ہمارے قیامت شامت

ان دو ہی صورتوں میں شکل اب نباہ کی ہے  
یا صبر ہم کو آوے یا زخم اس کو آوے  
کچھ زخم کھل چکے ہیں کچھ داغ کھل رہے ہیں  
ایکے بہار دیکھیں کیا کیا شگوفے لاوے  
ہم جس زمیں پہ آئے واں آسماں یہی تھا  
یا رب جو کوئی جاوے تو کس طرف کو جاوے

بہار آئی نکالومت مجھے اب کے گلستاں سے  
مراد امن بنے تو باندہ دو گل کے گریباں سے  
خدا جانے کہ دل کس خانہ آباداں کو دے پیٹھے  
کھڑے تھے تیر صاحب گھر کے دروازے چیراں سے



برسوں تک جی کو مار مار رہے      رات دن ہم اُمیدوار رہے  
اُس کی آنکھوں کی مستی عیش و عشرت      چاہیے یوں کہ ہوشیار رہے

جانب مسجد تھی وہ کافر نگاہ      شیخ صاحب دین ایماں سے گئے

دو دیدہ تراپنے جو یار کو ہیں تکتے  
ایک ایک کو نہیں پھر غیرت سے دیکھ سکتے  
ہوتا تھا گاہ گاہے محسوس درو آگے  
اب دل جگر ہمارے پھوٹے سے ہیں لپکتے  
شعلوں کی ڈاک کو یا علوں تلے دھری ہے  
چہرہ دے کے رنگ ہم نے دیکھے ہیں کیا جھمکتے  
جاگہ سے لے گئے ہیں نازاں جب آگے ہیں  
نوباوگانِ خوبی جوں شاخ گل لچکتے  
اس حسن سے کہاں ہے غلطانی موتیوں کی  
جس خوب صورتی سے میرا شک ہیں ڈھلکتے

صندل درو سرسبز و وفا      عاقبت دیکھا تو خاک گوشت ہے



گرچہ جی کب چاہتا ہے آپ کا آنے کو یاں  
پر کھو تو آئیے، خاطر ہمارے کیجیے

کرتی پھری ہے رُہوا سارے چمن میں مجھ کو  
گر کوئی بات دل کی بیل سے میں بھی ہے  
در ویش جب ہوئے ہم تب ہے ہمیں برابر  
کشکولِ وائرگوں ہے با افسرِ شہی ہے

آئینہ دار اُسی سے بنے ہیں ششِ حبت کو  
دیکھیں تو منہ دکھاوے وہ کام جاں کدھر سے  
ست رنج بکھنچ مل کر ہشیارِ مزاں سے  
اُس کی خبر ملے گی ایک آدھ بے خبر سے

غربت یہ مہرباں ہوئے میری، سو یہ کہا  
ان کو غریب کوئی نہ سمجھے، غضب میں ہو

خوش طرح مکاں، دل کا ٹھکانے میں مشتاق کی



اس عشق و محبت نے کیا خانہ خرابی کی  
 سکتا ہے دل ایدھر کو ٹھناتا ہے جگر اودھر  
 چھاتی ہوئی ہے میری دُکان کبابی کی  
 وہ نرگس مستانہ بائیں کمرے سے درہم  
 تم دیکھو، نہ کچھ بولو، کیا بات شہابی کی  
 بے سدھ ہوئے ہم آئی اک بوجھلتاں سے  
 پُر زور تھی مئی کتنی غنچے کی گلابی کی

دُور سے ٹک ملتفت ہوتے رہو      جب تلک دُوری سے کوئی خاکے  
 لو ہو پانی ایک کرویلے عشق      پانی کر دے چشمِ دل لو ہو کرے

حدیثِ زلفِ دراز اُن کے مُنھ کی بات بڑی  
 کبھو کے دن ہیں بڑے باں کبھو کی رات بڑی

وانسیم صبح سے ہوتا ہے گل      تجکواے مرغِ غنیمت بھی ہے  
 جی ہی دینے کا نہیں گڑھنا فقط      اُس کے دُور سے جانے کی حسرت بھی ہے



چلے ہم اگر تم کو اکراہ ہے      فقیروں کی اللہ اللہ  
چراغان گل سے ہے کیا روشنی      گلستاں کسو کی قدم

یار کا جور و ستم کام ہی کر جاتا ہے  
کتنا جی عاشق بے تاب کا مر جاتا ہے  
جیسے گردِ آب ہے گردش مری ہر چار طرف  
شوق کیا جانے بے مجھ کو کدھر جاتا ہے  
جوششِ اشک میں ٹمک ٹھہرے ہو پیشِ نظر  
اب کوئی پل میں یہ سیلاب اُتر جاتا ہے  
نزدِ درِ خسار پہ کیوں اشک نہ آوے گلِ رنگ  
آگے سے آنکھوں کے وہ باغِ نظر جاتا ہے  
واعظِ شہرِ تنکا آب ہے مانندِ حباب  
ٹمک ہوا لگتی ہے اس کو تو ابھر جاتا ہے

کی عمر صرف ساری پرگم ہے مطلب اپنا  
منزل نہ پہنچے ہم تو طے کر کے راہ کو بھی  
خواہش بہت جو ہو تو کاشش ہے جان و دل کی



کچھ کم کر ان دنوں میں اے سیر چاہ کو بھی

کچھ میں بھی عجب جنس ہوں بازارِ جہاں میں  
سو ناز مجھے لیتے خریدار کرے ہے  
زہار نہ جا پرورشِ دوِ جہاں پر  
مرنے کے لیے لوگوں کو طیار کرے ہے  
تصویر سے دروازے پہ ہم اُس کے کھڑے ہیں  
انسان کو حیرانی بھی دیوار کرے ہے

بزم میں پوچھا تو یوں انجان ہو      میرا ان لوگوں میں کس کا نام ہے

یاں تو تکلیف سی کھنچی تکلیف      واں وہی اب تلک تکلف ہے  
مرگ کیا منزلِ مراد ہے تیر      یہ بھی اک راہ کا توقف ہے

تسکین درِ مندوں کو یاربِ شتاب دے  
دل کو ہمارے چین دے آنکھوں کو خواب دے  
اُس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے



لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے  
 مژگانِ تر کو یار کے چہرے پہ کھول میر  
 اس آبِ خستہ سہرے کو تک آفتاب دے

جہاں شطرنج، بازندہ فلک، ہم ٹم ہیں سب ہرے  
 بسانِ شاطر نو ذوق اسے قہروں کی نڈھے ہے

برنگِ طاہر نو پڑ ہوئے آوارہ ہم اٹھ کر  
 کہ پھر پائی نہ ہم نے راہ اپنے اشیانے کی  
 اگر طالع کرے یاری تو مرے کر بلا جا کر  
 عمیر اپنے کفن کی خاک ہو اُس آستلنے کی

مہ یک ہفتہ دل کش اس قدر کا ہے کو ہوتا ہے  
 کروں ہوں شکر کے سجدے کہ میں نے وہیں دیکھی  
 نظر اُس کی حیا سے میر پست پائے اکثر ہے  
 کھنوں نے کا ہے کو اُس کی سی چشمِ شکر میں دیکھی



نامہ مرے عمل کا بھی اے کاش ساتھ جائے  
جب آسمان پلٹیں گے کافذ کے تاؤ سے

تا چند یہ خمیازہ کشتی، تنگ ہوں یارب  
آغوش مری ایک شب اُس شوخ سے بھر جائے  
جاتا ہے جدھر، منزل مقصود نہیں وہ  
آوارہ جو ہو عشق کا بے چارہ کہ ہر جلتے

بُتوں کے جرمِ الفت پر ہمیں زخروِ ملامت ہے  
مسماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے قیامت ہے  
بُھکی ہے شاخ پر گل ناز سے کیا سخن گلشن میں  
نہالِ قد کی اُس کے مدئی تھی، سو ندامت ہے

خدا کرے مرے دل کو ملک اک قرار آوے  
کہ زندگی تو کروں جب ملک کہ یار آوے  
تمہارے جو روں سے اب حال جائے عبرت ہے  
کسو سے کہئے تو اُس کو نہ اعتبار آوے



نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی دعا کر میت  
کہ اب جو دیکھوں اُسے میں بہت نہ پیار آئے

دل سوختہ ہوں مجھ کو تکلیفِ حرفِ مت کر  
اک آگ کی پست سی نکلے ہے ہر جن سے

کعبے کے در پہ تھے ہم یادِ تیر میں در آئے  
آوارگی تو دیکھو کیدھر سے کیدھر آئے

قصر و مکان و منزل ایکوں کو سب جگہ ہے  
ایکوں کو جا نہیں ہے، دُنیا عجب جگہ ہے  
اُس کے بدن میں ہر جا دلکش ہے یوں، لیکن  
یا سطحِ رُخ جگہ ہے، یا کنجِ لب جگہ ہے

دل کی بیماری سے طاقتِ طاق ہے      زندگانی اب تو کرنا شاق ہے  
مست پڑا رہ دیر کے ٹکڑوں پہ میر      اُٹھکے کعبے چل، خدا رزاق ہے



## غزل مسلسل

بات کیا آدمی کی بن آئی      آسماں سے زمین نپوئی  
 چرخ زن اُس کے واسطے ہے دم      ہو گیا دن تمام رات آئی  
 ماہ و خورشید و آبر و باد سبھی      اُس کی خاطر ہوئے ہیں سودا ئی  
 کیسے کیسے کیے ترو و جب      رنگ رنگ اُس کو چیز ہینچا ئی  
 اُس کو ترجیح سب کے اوپر دے      لطف حق نے کی عزت افزا ئی  
 حیرت آئی ہے اُس کی باتیں دیکھ      خود سری خود ستائی خود را ئی  
 شکر کے سجدوں میں یہ واجب تھا      یہ بھی کرتا سدا جبیں سا ئی  
 سو تو اُس کی طبیعت سرکش      سر نہ لائی فرو کہ ٹاک لائی  
 تیرا چیز مُشتِ خاک، اللہ  
 اُن نے یہ کبریا کہاں پائی

خانوادے ہو گئے کیا کیا خراب      خانہ سازِ دین کیسے مر گئے  
 دہشت افشاں پائے کو باں شوق میں      صومعہ سے میسر بھی باہر گئے







دیوان چہارم







بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیوان چہارم

کرتا ہوں اللہ درویش ہوں سدا کا  
 سرمایہ توکل یاں نام ہے خدا کا  
 یارب ہمارے جانب یہ تنگ کیوں ہے غائد  
 جی ہی سے مارے ہیں جو نام لے وفا کا  
 کیا فقر میں گزر ہو چشم طمع سے بن  
 ہے راہ تنگ ایسی جیسے سوئی کا ناکا  
 ابرو اور جوش گل ہے چل خانقہ سے صوفی  
 ہے لطف میکدے میں وہ چند اس ہوا کا  
 آلودہ خوں سے ناخن ہیں شیر کے سے ہر سو  
 جنگل میں چل بنے تو، کھولا ہے زرد و ڈھاکا  
 یہ وہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم  
 یا عالم آئینہ ہے اس یاد خود نما کا



کیا میں ہی جاں بلب ہوں بیمارِ مئی دلی سے  
مارا ہوا ہے عالم اس درِ بے دوا کا

گلُ بچوں فصلِ گل میں صد رنگ ہیں شگفتہ  
میں دل زدہ ہوں ابکی رنگینی ہوا کا

کیونکر بسر کرے غم و غصے میں ہجر کے  
خوگر جو ہو کسو کے کوئی التفات کا  
ڈرتا ہوں مالکانِ جزا بھاتی دیکھ کر  
کہنے لگیں نہ واہ رے زخم اس بات کا  
وا غلط کہے سو سچ ہے دے مئی فرشتے سے  
ہم ذکر بھی سنا نہیں صوم و صلوات کا  
عالم کسو حکیم کا باندھا طلسم ہے  
کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

تجاہلِ تغافل تساہل کیا      ہوا کام مشکل، توکل  
نہیں تاب لا تا دل زار اب      بہت ہم نے صبر و تحمل



جنوں تھا جو مج کو نہ چُپ رہ سکا کہ رنجیر ہوئی تو میں غل کیا  
حقیقت نہ میر اپنی سمجھی گئی شب روز ہم نے تامل کیا

رفش عشق کیا ہوں میں اب کا جا چکا ہوں جہان سے کب کا  
لوگ جب ذکرِ یار کرتے ہیں دیکھ رہتا ہوں دیر منہ سوس کا  
مست رہتا ہوں جیسے ہوش آیا میں بھی عاشق ہوں اپنے مشرب کا  
زلف سایچا وار ہے ہر شعر ہے سخن میر کا عجب ڈھب کا

کیا یاد می کر دوں پھر او کیا کیا اُن نے فریب کے  
جس کے لیے آوارہ پھرے ہم چھوٹا شہر و دیار اپنا  
بات کہتے آواز نکالے، آنکھ لڑائے جی مارے  
کیونکہ جتاوے اُس سے کوئی چاہ محبت پیار اپنا  
رحم کیا کر لطف کیا کر پوچھ لیا کر، آخر ہے  
میر اپنا، غمخوار اپنا، پھر زار اپنا، بیچار اپنا

کیا نور کا کتبہ ہے حیرے کو شرب میں  
منہ کھولے جو سہو رہتا، مہتاب چھپا جائے



کیا شوق کی باتوں کی تحریر ہوئی مشکل  
تھے جمع قلم کا غنڈ پر کچھ نہ لکھا جاتا  
تھا میر بھی دیوانہ پر ساتھ ظرافت کے  
ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ہلا جاتا

یہ دل نے کیا کیا کہ اسیر ہلا کیا  
اُس زلف پر شکن کا مجھے مبتلا کیا  
گو بے کسی سے عشق کی آتش میں جل بجھا  
میں جوں چہ سراغ گور اکیدا چلا کیا  
آیا نہ اُس طرف سے جواب ایک حرف کا  
ہر روز خط شوق ادھر سے چلا کیا

سر گرم طلب ہو کر کھو یا گیا میں اپنی  
کیا جانے پاؤں گا یا اُس کو نہ پاؤں گا

گردن کشتی سے اپنی مارے گئے ہم آخر  
عاشق اگر ہوئے تھے ناز و غرور کیا تھا



غم قرب و بُعد کا تھا جب تک نہ ہم نے جانا  
اب مرتبہ جو سمجھے وہ اتنا دُور کیا تھا  
اے وائے یہ نہ سمجھے مارے پڑینگے اس میں  
اظہارِ عشق کرنا ہم کو ضرور کیا تھا  
مرتا تھا جس کی خاطر اُس کی طرف نہ دیکھا  
میرِ ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

دل کو گل کہتے تھے درد و غم سے مڑھایا گیا  
جی کو مہاں سُنّتے تھے مہمان سا آ گیا  
جیسے پر چھائی میں دکھائی دیکھے ہو جاتی ہے محو  
میر بھی اُس کام جاں کا یوں ہی تھا سہا گیا

شاید جگرِ حسرتِ عشقی سے جل گیا  
کل دردِ دل کھا سو مرا مُنہ اُبل گیا  
ہر چہند میں نے شوق کو پہناں کیا ولے  
ایک آدھ حرفِ پیار کا مُنہ سے نکل گیا



ہم سے تو جز مرگ کچھ تدبیریں آتی نہیں  
 تم کہو کیا تم نے دردِ عشق کا درماں کیا  
 داخلِ دیوانگی ہی تھی ہمارے عاشقی  
 یعنی اس سودے میں ہم نے جان کا نقص کیا  
 شکر کیا اُس کی کریمی کا ادا بندے سے ہو  
 ایسی اک ناچیز ہشتِ خاک کو انساں کیا  
 لکھنؤ دنی سے آیا، یاں بھی رہتا ہے اُس  
 تیر کو سرگشتگی نے بے دل و حیراں کیا

بے دماغی کا سماں دیکھنے کی کس کو تاب  
 آنکھیں ملتا تھا جو وہ جی ہی جلا جاتا تھا  
 تیر کو واقعہ کیا جا بے کیا تھا درپیش  
 کہ طرفِ دہشت کے جوں سیل جلا جاتا تھا

چشمِ وفاخوانِ زمان سے سادہ ہو سور کھے تیر  
 قصہ ہے شہورِ زمانہ پہلے دونوں بھائی کا



جہاں بھرا ہے ترے شورِ حُسن و خوبی سے  
 لبوں پہ لوگوں کی ہے ذکرِ جا بجا تیرا  
 نظر کسو نے نہ کی حالِ میر پر افسوس  
 غریبِ شہر و فاتحہ وہ خاکِ پا تیرا

صورتِ شیریں کے آگے کامِ اپنا کر گیا  
 عشق میں کس حُسن سے فرہاد ظالم مر گیا  
 خانہ آبادی ہمیں بھی دل کی یوں ہے آرزو  
 جیسے جلوے سے ترے گھر آرسی کا بھر گیا

کیا عشق سو پھر مجھے غم رہا      مژہ غم رہی حال درہم رہا

ق

مکتے گیا، مدینے گیا، کر بلا گیا  
 جیسا گیا مکتا و سیاہی چل پھر کے آ گیا  
 دیکھا ہو کچھ اس آمد و شد میں تو میں کہوں  
 خود گم ہوا ہوں بات کی نتہ اب جو پا گیا



جاں سوز آہ و نالہ سمجھتا نہیں ہوں میں  
اک شعلہ میرے دل سے اُٹھتا تھا جلا گیا  
جو یہ سپہرِ دوں سے بُرا حال تھا بہت  
میں شرمِ ناکسی سے زمیں میں سما گیا

عشق کیا کیا آفتیں لاتا رہا  
دل ہوا کب عشق کی رہ کا دلیل  
آخر اب دُوری میں جی جاتا رہا  
میں تو خود گم ہی اُسے پاتا رہا  
کچھ نہ میں سمجھا جنوں عشق میں  
دیرِ ناصح بھگو سمجھاتا رہا

کون لیتا تھا نامِ محبوں کا  
لطف سے پوچھتا تھا ہر کوئی  
جب کہ غمِ جنوں ہمارا تھا  
جب تلک لطف کچھ تھا راتھا  
آسماں کی کسو کے خاک ہوا  
موسمِ گل میں ہم نہ چھوٹے طیف  
گشت تھا، دید تھا، نظار تھا

خوب کیا جواہلِ کرم کے جود کا کچھ نہ خیال کیا  
ہم جو فقیر ہوئے تو ہم نے پہلے ہی ترک سوال کیا  
نیرِ سدا بے حال رہو ہو مہر و وفا سب کرتے ہیں



تم نے عشق کیا سو صاحب یہ کیا اپنا حال کیا

ہم کو لے مغاں میں تھے ماورِ مضاں آیا  
صد شکر کہ مستی میں جانانہ کہاں آیا  
رسم اٹھ گئی دُنیا سے اک بار مروت کی  
کیا لوگ زمیں پر ہیں، کیسا یہ سماں آیا  
بلبل بھی تو نا لال تھی پر سارے گلستاں میں  
اک آگ کھنکی جب میں سرگرم فغاں آیا

ہمارا آئی چلو چمن میں ہوا کے اوپر بھی رنگ آیا  
کہاں تلک گل نہ ہووے غچہ رہا مندے منہ سو تنگ آیا  
چلے ہیں مونڈھے پھٹی ہے کہنی چسی ہے چولی پھنسی ہے ہری  
قیامت اُس کی ہے تنگ پوشی ہمارا جی تو بتنگ آیا  
وہی ہے رونا وہی ہے کڑھنا وہی ہے شورش جوانی کی سی  
بڑھاپا آیا ہے عشق ہی میں یہ تیر تم کو نہ ڈھنگ آیا

جھک کے سلام کسو کو کرنا سجدہ ہی ہو جاتا ہے



سر جاوے گو اس میں میرا سر نہ فرو میں لاؤنگا

قیامت کو جرمانہ شاعری پر      مرے سر سے میرا ہی دیوان مارا  
لگا آتشیں نالہ شب اپنے دل کو      اس انداز سے جیسے اک بان مارا

جگر خوں کیا حشمِ نم کر گیا      گیا دل سوہم پرستم کر گیا  
اُن آنکھوں کو زخاں لکھا تھا یہیں      مرے ہاتھ دونوں قلم کر گیا

ہنگامے سے جہاں میں ہم نے جنوں کیا ہے  
ہم حسنِ طرف سے نکلے ساتھ از و حاضرم نکلا  
جانا تھا تجکو ہم نے تو بچتہ مغر ہو گا  
دیکھا تو میر تیرا سودا بھی خام نکلا

نے ہم سے کچھ نہ اُس ستم ایجاد سے ہوا  
ظلمِ صریحِ عشق کی امداد سے ہوا  
خوش زمرہ طہور ہی ہوتے ہیں میرا میر  
ہم پرستم یہ صبح کی فریاد سے ہوا



زار کیا، بیمار کیا، اس دل نے کیا آزار کیا  
 داغ سے تن گلزار کیا سب، آنکھوں کو خونبار کیا  
 چاہا ہم نے کیا کیا تھا پر اپنا چاہا کچھ نہ ہوا  
 عزت کھوئی، ذلت کھینچی، عشق نے خوار و زار کیا

سیلے کا سوز بہت بھڑکا، جلاتن، مارا  
 جامہ زیبوں نے غضب آگ پہ دامن مارا

صبر مرا سا بے جرمی پر ہونہ سکے گا انساں سے  
 جو ر و جفا و ستم جو گزرے رب کچھ میں نے میرہا

چاہت کا اظہار کیا سوا پنا کام خراب ہوا  
 اس پرے کے اٹھ جانے سے اُس کو ہم سے حجاب ہوا  
 شمع جو آگے شام کو آئی رشک سے جل کر خاک ہوئی  
 صبح گلی تر سامنے ہو کر جوشِ شرم سے آب ہوا

وفاداری نے جی مارا ہمارا اسی میں ہو گا کچھ دارا ہمارا



گلہ لب تک نہ آیا تیر ہرگز  
کھپا جی ہی میں غم سارا ہمارا

---



## ردیف: ب

ہوا جو دل خوں خرائی آئی تمام اعضا میں ہے فتور اب  
 سو اس گم ہیں، دماغ کم ہے، رہا سہا بھی کیا شعور اب

کیا گئی جان و دل سے تابِ شتاب      آنسو آتے ہیں اب شتابِ شتاب  
 یوں صبا بھی شُبک نہیں جاتی      جوں گیا موسمِ شبابِ شتاب  
 پیر ہو کر ہوا ہوں یوں غافل      جیسے لڑکوں کو آوے خوابِ شتاب

محرورم نہ رہ جائیں کہیں بعدِ فنا بھی  
 ہے شبہ ہمیں یار کے دیدار میں صاحب  
 لیتی ہے ہوا رنگِ سراپا سے تمہارے  
 معلوم نہیں ہوتے ہو گلزار میں صاحب  
 گو فہم نہ ہو کفر کی اسلام سے نسبت  
 رشتہ ہے عجب سچہ و زنا میں صاحب



دردِ سر کا پتھر پتھر ہے اب      زندگی ہی دردِ سر ہے اب  
وہ دماغ ضعیف بھی نہ رہا      بے دماغی ہی بیشتر ہے اب  
کیا کہے حالِ خاطرِ آشفہ      دل خدا جلے کدھر ہے اب  
عزلی میر جوں صبا اس بن      خاک پر سر ہے درد ہے اب

کاش کے ہو جائے سینہ چاک چاک  
رکتے رکتے جی بھی گھبرایا ہے اب

دور تک رسوا ہوا ہوں شہروں شہروں ملک  
میری شعر و شاعری کا تذکرہ کھر گھر ہے اب  
گفتگو انسان سے محشر میں ہے یعنی کہ میر  
سار اہنگامہ قیامت کا مرے سر پر ہے اب

خلافِ وعدہ بہت ہوئے ہو کوئی تو وعدہ وفا کرو اب  
ملا کے آنکھیں دروغ کہنا کہاں ملک کچھ حیا کرو اب

النفاتِ زمانہ پر مت جا      میر دیتا ہے روزگار فریب



## دلیفت

جب سے ہماری آنکھیں لگی ہیں نیند نہیں آتی ہے رات  
تکے راہ رہے ہیں دن کو آنکھوں میں جاتی ہے رات  
روز و شب کی اپنی معیشت نقل کریں کیا تم سے میر  
دن کو قیامت جی یہ رہے ہے سر پہ بلالانی ہے رات

چشم رہنے لگی پر آب بہت      شاید آوے گا خونِ نابہت  
مارنا عاشقوں کا گرہ ہے ثواب      تو ہوا ہے تمہیں ثواب بہت

تھی بحر کی سی لہر کہ آئی، جھلی گئی  
پہنچی ہے اُس سرے تیش طبع رواں کی بات  
اب تو وفا و مہر کا مذکور ہی نہیں  
تم کس سے کی کہتے ہو یہ ہے کہاں کی بات



## ردیف: ث

عہد اُس کا غلط، قرارِ غمت  
دل ہمارا ہے بے قرارِ غمت



## رویف : ج

ملکوں ملکوں شہروں شہروں قریہ قصبہ دسیہ و دیار  
 شعرو بیت و غزل پر اپنے ہنگامہ ہے گھر گھر آج  
 رحم نے جاگہ کی ہے پیدا شاید اُس کے دل میں بھی  
 دیکھ رہا ہے منہ کو ہمارے حال ہمارا سن کر آج



## دولف بچ

میں بے دماغِ عشق اٹھٹا سو چلا گیا  
 بلبل پکا رتی ہی رہی گلستاں کے بیچ  
 تحریک چلنے کی ہے جو دیکھو نگاہ کمر  
 ہیئت کو اپنی موجوں میں آبِ رواں کے بیچ  
 کیا جانوں لوگ کہتے ہیں کس کو سرورِ قلب  
 آیا نہیں یہ لفظ تو ہندی زباں کے بیچ  
 خوگر ہوئے ہیں عشق کی گرمی سے خارِ خس  
 بجلی پڑی رہے ہے مرے آسٹیاں کے بیچ

خوش سیرتی ہے جس سے کہ ہوتا ہے اعتبار  
 ہے چوبِ خشک، بوجہ نہ ہووے اگر کے بیچ  
 ہر دانہ سرِ مشک میں تارِ نگاہ ہے  
 اُس رشتے کی روش کہ جو ہووے گھر کے بیچ



ایک ہوویں جو زبان و دل تو کچھ نکلے بھی کام  
یوں اثر اے تیر کیا ہو گریہ و زاری کے بیچ

بحث آٹری جوں لب سے تمھارے توجہ پہ ہو  
کچھ بولنا تمھیں نہیں اس گفتگو کے بیچ  
گل کی تو بو سے غش نہیں آتا کسو کے تیش  
ہے فرق تیر پھول کی اور اس کی بو کے بیچ



## دیف: ح

کیا ہم بیاں کسو سے کریں اپنے یاں کی طرح  
 کی عشق نے خرابی سے اس خانماں کی طرح  
 اثبات بے ثباتی ہوا ہوتا آگے، تو  
 کیوں اس چمن میں ڈالتے ہم آشیاں کی طرح  
 نقصان جاں صریح تھا سو دے میں عشق کے  
 ہم جان کے نکالی ہے جی کے زباں کی طرح  
 دل کو جو خوب دیکھا تو ہو کا مقام ہے  
 ہے اس مکاں میں ساری ہی لامکاں کی طرح  
 کل دیکھ آفتاب کو، دیا ہوں دیر تک  
 غصے میں ایسی ہی تھی مرے ہر باں کی طرح

جو عرق تحریک میں اُس رشک کے رخ پہ ہے  
 تیر کب ہوتے ہیں گرم جلوہ تارے اس طرح



## ردیف: د

تن کو جس جاگہ سے چھڑوں ہوں وہاں ہے دردِ درد  
 ہاتھ لگتے دل کے ہو جاتا ہوں کچھ میں نہ درد نہ درد  
 اب تو وہ حسرت سے آہ و نالہ کرنا بھی گیا  
 کوئی دم ہونٹوں پہ آجاتا ہے گاہے سر و سر

خود کو عشقِ بُتاں میں بھول نہ جا      متوکل ہو، کر خدا کو یاد  
 چار دیواری غماص تیرے      خوب جاگہ ہے پر ہے بے بنیاد



## دلیف :-

مست اس جہن میں غنچہ روش بود و باش کر  
مانند گل شگفتہ جبیں یاں معاش کر

مرنے ہیں ہم تو آدمِ خاکی کی شان پر  
اللہ سے دماغ کہ ہے آسمان پر  
جھکٹ تھا دل میں لالہ رخوں کے خیال سے  
کیا کیا بہاریں دیکھی گئیں اس مکان پر  
اُس کامِ جاں کے جلووں کا میں ہی نہیں ہلاک  
آفتِ عجب طرح کی ہے سارے جہان پر  
تقدیسِ دل تو دیکھ ہوئی جس کو اُس سے راہ  
سُروے ہیں لوگ اُس کے قدم کے نشان پر  
شوخی تو دیکھو آپنی کہا آؤ، بیٹھ بیٹھ  
پوچھا، کہاں؟ تو بولے کہ میری زبان بہا



کیا صبر ہم نے جو اُس کے ستم پر      ستم ساستم ہو گیا اس میں ہم پر  
 لکھا جو گیا اُس کو کیا نقل کرے      سخن خو نچکاں تھے زبانِ قلم پر

عشق و محبت یاری میں اک لطف رکھے ہے کرنا ضبط  
 چھائی پہ جو ہو کوہِ الم کا تو بھی نالہ و آہ نہ کر  
 مانگ پناہ خدا کے بندے، دل لگنا اک آفت ہے  
 عشق نہ کر، زہار نہ کر، و اللہ نہ کر، بالہ نہ کر  
 میر نہ ہم کہتے تھے تجھ سے، حال نہیں کچھ رہنے کا  
 چاہ بلائے جان و دل ہے، آجانے دے چاہ نہ کر

جی ہی ملا جاتا ہے اپنا میر سماں یہ دیکھے سے  
 آنکھیں ملنے اُٹھتے ہیں بستر سے دلبر جب سو کر

جو جانوں تجھ میں بلبل تہ نہیں تو کیوں زبان دیتا  
 زباں کر بند سائے باغ میں مچکونہ رسوا کر  
 سب بھولوں بھرے بازار میں آئے ہیں، موسم ہے  
 نکل کر گوشہ مسجد سے تو بھی میر سودا کر



سُن سُن کے دروِ دل کو بولا کہ جاتے ہیں ہم  
 تو اپنی یہ کہانی بیٹھا ہوا کہسا کر  
 جو وجہ کوئی ہو تو کہنے میں بھی کچھ آوے  
 باتیں کرو ہو بگڑی مُنہ کو بنا بنا کر

ق

بزم میں مُنہ اُدھر کریں کیونکر	اُور نیچی نظر کریں کیونکر
یوں بھی مشکل ہے دوں بھی مشکل ہے	سر خجکا کر گزرا کریں کیونکر
راز پوشی عشق ہے منظور	آنکھیں رو رو کے ترکریں کیونکر
مست و بے خود ہم اس کے در پہ گئے	لوگ اُس کو خبر کریں کیونکر
دل نہیں درد مند اپنا میر	آہ و نالے اثر کریں کیونکر



## دلیف :- نہ

نحتِ جگر کے غم میں کہ تھا لعل پارہ میر  
رخسارِ نر و پر ہے سرے خوں رواں ہنوز

کب سے نگاہ گائے ہے یاں روز آفتاب  
ہم دیکھے ہیں جہاں کے تیش سرسری ہنوز

دل کو آتا نہیں قرار ہنوز	بے قراری میں ساری عمر گئی
واں سے اٹھتا ہر اک غبار ہنوز	خاکِ بجنوں جہاں ہے صحرا میں
دل کو اُس کا ہے اعتبار ہنوز	کب سے ہے وہ خلافِ وعدہ وے
عشق لاتا ہے مردِ کار ہنوز	قیس و فرہاد پر نہیں موقوف
اُن کو اپنا ہے انتظار ہنوز	عشق کرتے ہوئے تھے بچہ و تیر

معتبر کیا ہے میر کی طاقت  
رہن بادہ ہے جانماز ہنوز



نہ جگر میں ہے خوں نہ دل میں خوں      در پے خوں ہے روزگار ہنوز  
 دست بردل ہوں تدنوں سے تیر      دل ہے ویسا ہی بیکرا ہنوز

---



## دلیف بس

کل ہاتھ جا رہا تھا دل بے قرار پاس  
گویا کہ جا رہا کسو سوزندہ نار پاس



## دلیف بـش

نکلے پر دے سے دے سے یار اے کاش  
 مسخ کرے اس طرف بہار اے کاش  
 کچھ وسیلہ نہیں جو اُس سے ملوں  
 شعر ہو یار کاشعار اے کاش

جائے ہیں رنگ و بوے گل و آہو چلے  
 آئی نہ خوش ہمیں تو یہ گلزار کی روش  
 یوں سر بکھیرے عشق میں پھرتے نہیں ہیں تیر  
 اظہار بھی کرے ہیں تو اظہار کی روش

ہے عشق میں صحبت مری خواباں کی عجب کچھ  
 اقراء سے بے زار ہیں انکار سے ناخوش



ردیف :- ط

عشق کے دو گواہ لاء یعنی  
زردی رنگ و چشم تھے بشرط



## دلیف: بع

ایک ہی گل کا صرف کیا ہے میں نے سراپا جیسے شمع  
تلووں تک وہ داغ گیا ہے سب بکھوٹھا جیسے شمع



# ردیف :- غ

دل جگر و دونوں پر چلائے داغ  
عشق نے کیا ہمیں دکھائے داغ



## دولیف: ف

آج ہمارا سر بھرتا ہے باتیں جتنی سب موقوف  
حرف و سخن جو با یکدیگر رہتے تھے سوا ب موقوف  
کس کو دماغ رہا ہے یاں اب آٹھ پہر کی مرت کا  
رہط اخلاص کے وے دن گزے غلط اس سے سب موقوف

میں آگے نہ تھا دیدہ پر آب سے واقف  
پلکیں نہ ہوئی نہیں مری خونا بے واقف  
ہم ننگِ خلایق یہ عجب ہے کہ نہیں ہیں  
اس عالم اسباب میں اسباب سے واقف  
شب آنکھیں کھلی رہتی ہیں ہم مقظروں کی  
جوں دیدہ انجم نہیں ہیں خواب سے واقف

نظر کیا کروں اس کے گھر کی طرف  
نگاہیں ہیں میری نظر کی طرف  
بڑی دھوم سے اتر آئے گئے  
نہ کوئی ہوا چشم تر کی طرف



ہا بے خبر گرچہ ہجراں میں تیرے  
ہے گوشِ اُس کے خبر کی طر



میں نے کہا کہ میں نے تجھے  
میں نے کہا کہ میں نے تجھے  
میں نے کہا کہ میں نے تجھے  
میں نے کہا کہ میں نے تجھے

میں نے کہا کہ میں نے تجھے  
میں نے کہا کہ میں نے تجھے  
میں نے کہا کہ میں نے تجھے  
میں نے کہا کہ میں نے تجھے

میں نے کہا کہ میں نے تجھے  
میں نے کہا کہ میں نے تجھے  
میں نے کہا کہ میں نے تجھے  
میں نے کہا کہ میں نے تجھے



## دویف بق

لوگ بہت پوچھا کرتے ہیں کیا کیئے میاں کیا ہے عشق  
 کچھ کہتے ہیں بہر الہی کچھ کہتے ہیں خدا ہے عشق  
 اکف سے پرہیز کیا کر کلفت اس میں نہایت ہے  
 یعنی دیر و رنج و تعب ہے آفت جان و بلا ہے عشق

دل کا مطالعہ کرے اگر حقائق  
 ہیں فنِ عشق کے بھی مشکل بہت دقائق  
 جی سارے فن کا کھنچ کر آنکھوں میں آ رہا ہے  
 کس مرتبے میں ہم بھی ہیں دیکھنے کے شائق

نزدیک عاشقوں کے زمیں ہے فراہ عشق  
 اور آسماں غبارِ سرِ ہنزا بہ عشق  
 مارا پڑا ہے انس ہی کرنے میں ورنہ میر  
 ہے دورِ گمراہی وادیِ وحشت شکارِ عشق



## دیف بک

کچھ سبج ولی تیر جوانی میں کھنچا تھا  
نزدیکی نہیں جاتی مرے رخصت سے اب تک

لبا لب ہے وہ حسن معنی سے سارا  
نہ دیکھا کوئی ایسی صورت سے اب تک



## رویف بک

---

کیا چلے جاتے ہیں جہاں سے لوگ  
 مگر آئے تھے میہماں سے لوگ  
 شہر میں گھر خراب ہے ایسا  
 آتے ہیں یاں اب اس نشان سے لوگ  
 ایک گروہش میں ہیں برابر خاک  
 کیا جھگڑنے ہیں آسمان سے لوگ  
 آدمی اب نہیں تہاں میں میر  
 اُمٹھ گئے ایسے کاروان سے لوگ

---



## رویفیل

رعنا جوان شہر کے رستے ہیں گل بسہر  
 سر پر ہمارے داغ جنوں کے ہیں جائے گل  
 دل ٹوٹنے پہ مرغِ چمن کے نہ کی نظر  
 بے در و گل فروش سب بھر کے لائے گل  
 بوئے گل و نوائے خوشی عند لب ہر  
 آنی، چلی گئی، یہی کچھ تھی وفا لے گل

عشق کی چوٹیں بے در پے جو اٹھائی گئیں کھائے دل  
 یوں بیدم ہے اب پلو میں جوں صید بمل ہے دل

کھینچتا ہے اس طرف ہی کو بے اختیار دل  
 دیوانہ دل، بلا دہ دل، بے قرار دل  
 سمجھا بھی تو کہ دل کسے کہتے ہیں دل ہے کیا  
 آتا ہے جو زباں پہ تری بار بار دل



## ردیف: م

کیا رکھیں یہ تم سے توقع خاک سے آکے اٹھاؤ گے  
راہ میں دیکھو افتادہ تواؤ را لگاؤ ٹھوکر تم

یارب اس محبوب کو پھراک نظر دیکھیں گے ہم  
اپنی آنکھوں سے اُسے یاں جلوہ گردیکھیں گے ہم

ظلم ہوئے ہیں کیا کیا ہم پر صبر کیا ہے کیا کیا ہم  
آن لگے ہیں گورکنٹے اُس کی گلی میں جا جا ہم

سوزِ دروں نے ہم کو پرے میں مار رکھا  
جوں شمع آپ ہی کو کھا کھا کے رہ گئے ہم

اگرچہ وصل ہے پر ہیں طلب میں سرگرداں  
دہم کلتے جاتے ہیں حسرت کو تم



مرید پر خرابات یوں نہ ہوتے میتہ  
سمجھتے عارف اگر اور بھی کسو کو ہم

کیا دن تھے دیکھتے تم کو نیچی نظر سے کر لیتا  
شرما شرما لوگوں سے جب آنکھیں مجھ کو دکھاتے تم  
خاک ہے اصل طینتِ آدم چاہیے اس کو عجب کمرے  
بات کی تم کو کچھ پانے تو اتنا سر نہ اٹھانے تم



## دیفان

ضعف دماغ سے کیا پوچھو ہوا اب تو ہم میں حال نہیں  
 اتنا ہے کہ تپش سے دل کی سر پہ وہ وہمال نہیں  
 ایسی متاعِ قلیل کے اوپر چشم نہ کھولیں اہل نظر  
 آنکھیں آئے جو کچھ ہووے دُنبیا ایسا مال نہیں

ہے وضع کشیدہ کا جو شور اُس کی جہاں میں  
 نکلی ہے مگر تازہ کوئی شاخ کہاں میں

دل کے گئے بے دل کہلئے آگے دیکھیے کیا کیا ہوں  
 محضوں ہوویں مفتوں ہوویں محضوں ہوویں ہوا ہوں  
 عشق کی رہ میں پاؤں رکھا سو رہنے لگے کچھ رفتہ سے  
 آگے چل کر دیکھیں ہم اب گم ہوویں یا پیدا ہوں

ہر خط بے فراری ہر آن آہ و زاری



ہر دم ہے اشکباری، نو میدی ہے نظری  
 روتے ہی رہنا اکثر نہ چاہتا ہے سو تو  
 تاب اب نہیں ہے دل کوئے خون جگر میں

محبوب کا وصال نہ ہم کو ہوا نصیب  
 دل سے ہزار خواہشیں سر کو چلک گئیں  
 بھر دی تھی چشم ساقی میں یارب کہاں کی مٹی  
 مجلس کی مجلسیں نظر اک کر کے جھلک گئیں

ہم سے اُسے نفاق ہوا ہے وفاق میں  
 کم اتفاق پڑتے ہیں یہ اتفاق میں  
 شاید کہ جان و تن کی جدائی بھی ہے قریب  
 جی کو ہے اضطراب بہت اب فراق میں  
 تحصیل علم کرنے سے دیکھا نہ کچھ حصول  
 میں نے کتابیں رکھیں اٹھا گھر کے طاق میں  
 اک نور گرم جلوہ فلک پر ہے ہر بحر  
 کوئی تو مادہ پارہ ہے میرا اس رواق میں



صبح ہوئی گلزار کے طاڑ دل کو اپنے ٹوٹے ہیں  
یاد میں اُس خود رو گل تر کے کیسے کیسے بولے ہیں

غزل میر کی کب پڑھائی نہیں کہ حالت مجھے غش کی آئی نہیں  
زباں سے ہماری ہے صیاد خوش ہمیں اب اُمید رہائی نہیں  
گلہ ہجر کا سن کے کہنے لگا ہمارے تمھارے جدائی نہیں

دل کی لاگ بڑی ہوتی ہے، چنگے بھلے مر جانے ہیں  
آپ میں ہم سے یہ خود رفتہ بھر بھر بھی کہا آتے ہیں  
جی ہی جائے ہے میر جو اپنا دیر کی جانب، کہا کرے  
یوں مزاج طرف کہے کے بہتیرا ہم لانے ہیں

دل کی کچھ نصیب نہیں ہے آنکھیں اس سے لگ پڑیاں  
مار رکھا سو اُن نے مجھ کو، کس ظالم سے جا لڑیاں  
نخس تھے کہا دے وقت وساعت جن میں لگا تھا دل اپنا  
سال پھر ہے اب تو ہم کو، ماہ برابر ہیں گھر پڑیاں



جہاں کے باغ کا یہ عیش ہے کہ گل کے رنگ  
ہمائے جام میں لو ہو ہے سب شراب نہیں  
تلاش تیر کی اب میکہ وں میں کاش کریں  
کہ مسجد وں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

ہم کو کہنے کے تئیں بزم میں جا دیتے ہیں  
بیٹھنے پاتے نہیں ہیں کہ اٹھا دیتے ہیں  
اُس شہ حسن کا اقبال کہ ظالم کے تئیں  
ہر طرف سیکڑوں درویش دعا دیتے ہیں

جی مارا بیٹائی دل نے اب کچھ اچھا ڈھنگ نہیں  
رنگ پتیدن کی شوخی سے مُنہ پر میرے رنگ نہیں  
وہ جو خرامِ ناز کرے ہے ٹھوکر دل کو لگتی ہے  
چوٹ کے اوپر چوٹ پڑے ہے دل ہے میرا سنگ نہیں  
ہم بھی عالم فقر میں ہیں پر ہم سے جو مانگے کوئی فقیر  
ایک سوال میں دو عالم دیں ایسے دل کے تنگ نہیں  
شعر تیر بھی پڑھتا ہے تو اور کسو کا لے کر نام



کیونکر کہئے اُس ناداں کو نام سے میرے ننگ نہیں

کچھ تفاوت نہیں ہستی و عدم میں ہم بھی  
اٹھ کے اب قافلہٴ رفتہ کو جا لیتے ہیں  
ہم فقیروں کو کچھ آزار نہیں دیتے ہو  
ورنہ اُس فرقے سے سب لوگ ڈھلے ہیں

تھکے چارہ جوئی سے اب کیا کریں      کہو تم سودا کا دوا کریں  
بلا ہے یہ اندازِ رفتارِ عشق      چلا جائے جی ہم تماشا کریں  
بُڑے حال اُس کی گلی میں ہیں میر      جو اٹھ جائیں اُس سے تو اچھا کریں

کس قدر بے گانہ خواہیں مردمانِ شہرِ حسن  
بات کرنا رسم و عادت ہی نہیں اُلفت سے پا  
اٹھ گئے ہیں جب سے ہم سونا پڑا ہے باغِ سب  
شورِ ہنگامِ سحر کا بند ہے مدت سے یاں  
صورتوں سے خاکِ داں یہ عالمِ تصویر ہے  
نولیس کیا اہل نظر خاموش ہیں حسرت سے ماں



فہم حرفوں کے تناظر کا بھی یاروں کو نہیں  
 اس پر رکھتے ہیں تنفر سب مری صحبت سے یاں  
 کیا سر جنگ بدل ہو بے دریغ عشق کو  
 صلح کی ہے میر نے ہفتاد و دو ملت سے یاں

چاک ہوا دل ٹکڑے جگر ہے لو ہو دوڑے آنکھوں سے  
 عشق نے کیا کیا ظلم دکھائے دس دن کے اس صینے میں  
 گوندھ کے گویا پتی گل کی وہ ترکیب بنائی ہے  
 رنگ بدن کا تب دیکھو جب چولی بھگے سینے میں  
 میر نے کیا کیا ضبط کیا ہے شوق میں اشکِ خویش کو  
 کیے جو قصیر ہوئی ہو اپنا لو ہو پینے میں

کو چہ یار تو ہے غیرتِ فردوس والے  
 آدمی ایک نہیں اس کے ہوا داروں میں

عالمِ علم میں ایک نئے ہم وے جف ہے اُن کو کیا نہیں  
 اب کہتے ہیں خلطہ کیا، جان نہیں پہچان نہیں



کس اُتند پہ ساکن ہو دے کوئی غریب شہر اُس کا  
 لطف نہیں، اکرام نہیں، انعام نہیں، احسان نہیں  
 شام و سحر ہم سرزد وہ دامن سرگرمیاں رہتے ہیں  
 ہم کو خیال اُدھر ہی کا ہے اُن کو ادھر کا و حیان نہیں  
 شور نہیں یاں سُنتا کوئی تیر قفس کے اسیروں کا  
 گوش نہیں دیوارِ چمن کے، گل کے شاید کان نہیں

یوں ناکام رہیں گے کب تک جی میں ہے اک کام یہ  
 رُسا ہو کر مارے جاویں، اُس کو بھی بدنام کریں  
 منہ کھولے تو روزِ روشن زلف بکھیرے شام ہے پھر  
 ان طوروں سے عاشق کیوں کر صبح کو اپنی شام کریں  
 شیخ پڑے بحرابِ حرم میں پہروں دو گانہ پڑھتے ہیں  
 سجدہ ایک اُس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں

ق

پہر میں صورتِ احوال ہر اک کو دکھاتا یا  
 مرآتِ قحط ہے آنکھیں نہیں کوئی ملاتا یا



خوابہ دلی کا وہ چہرہ بہتر لکھنؤ سے تھا  
 وہیں میں کاش مر جاتا سر اسیمہ نہ آتایاں  
 محبت دشمن جاں ہے جو میں معلوم یہ کرتا  
 تو کاہے کو کھسو سے میرا پنا دل لگاتا یاں

کس سے مشابہ کیجیے اُس کو، ماہ میں ویسا نور نہیں  
 کیونکر کہے ہستی رُو ہے اس خوبی سے جو نہیں  
 ہم دیکھیں تو دیکھیں اُسے پھر پر وہ بہتر ہے، یعنی  
 اور کریں نظارہ اُس کا ہم کو یہ مشطور نہیں  
 راہ دورِ عدم سے آئے بستی جان کے دُنیا میں  
 سویاں گھر او جڑے ہیں سارے، اک منزل معمور نہیں



## دولیف :- و

دیتی ہے طول بلبل کیا شورشِ فغاں کو  
اک نامہ جو صلے سے بس ہے وداعِ جاں کو  
نالاں تو ہیں تجھی سے پر وہ اثر کہاں ہے  
گو طاثر گلستاں سیکھے مری زباں کو  
کیا جانے کہ کیا کچھ پردے سے ہونے ظاہر  
رہتے ہیں دیکھتے ہم ہر صبح آسماں کو  
اُس چشمِ سرخ پر ہے وہ ابرو بے کشیدہ  
جوں ترکِ مسنت رکھ لے سر کے تلے کہاں کو  
بعد ازاں نماز تھے کل منجانی کے در اوپر  
کیا جانے تیرا اٹھ کرواں سے گئے کہاں کو

دل تیرو لبروں سے چاہا کرے ہے کیا کیا  
کچھ انتہا نہیں ہے عاشق کی آرزو کو



عجب گرتیری صورت کا نہ کوئی یار عاشق ہو  
جو صحن خانہ میں تو ہو در و دیوار عاشق ہو  
تجھے اک بار اگر دیکھے کوئی بے جا ہودل اس کا  
خراہم ناز پر تیرے لٹا کھربار عاشق ہو

تُو وہ نہیں کسو کا تیرے دل سے یار ہو  
یا تجکو دل شکستوں سے اخلاص پیار ہو

صدر نگ بخت رہتی ہے یاں فی شعور سے  
اے عقلمند واسے کہ ناداں بیوانہ تو

کھول آنکھیں صبح سے آگے کہ شیرالہ کے  
دیکھتے رہتے ہیں غافل وقت کرک و میش کرک

کیا کیا جھمک گئے ہیں رخسارِ یار و نو  
رہ رہ گئے رہ و خوار آئینہ دار و نو  
دن ہیں بڑے کھنوکھے رہا تیک بہر کھج کج



رہتے نہیں ہیں یکساں لیل و نہار دونو

چونہ ہووے نماز کرے نیاز آدمی چاہیے کرے کچھ تو  
 سہمے سہمے نظر پڑے ہیں تیر اُس کے اطوار سے ڈرے کچھ تو



## ردیف: ھ

یار صد حریف کہ بے گانہ رہا اپنے ساتھ  
 آشنا یا نہ نہ کی کوئی ادا اپنے ساتھ  
 اتحاد اتنا ہے اُس سے کہ ہمیشہ ہے وصل  
 اپنے مطلوب کو ہے ربط سدا اپنے ساتھ  
 رنج نے رنج بہت کھینچے پہنچ کر ہم تک  
 اک بلا میں ہے گرفتار بلا اپنے ساتھ  
 وار و شہر ہیں یادشت میں ہم شوق طلب  
 ہر زمان پھرتا ہے اے تیر لگا اپنے ساتھ

یاروں کی آہ و نزاری ہووے قبول کیونکر  
 اُن کی زباں پہ کچھ ہے دل میں ہے کچھ دعا کچھ  
 ساری وہی حقیقت ملحوظ سب میں رکھی  
 کیسے نمود ہووے جو اُس کے ماسوا کچھ



کیا اضطرابِ عشق سے میں حرفِ زن ہیں مہر  
منہ تک جگر تو آنے لگا گفتگو کے ساتھ

رکڑے گئے ہیں جہے اندیکہ رہتوں کے  
آئینہ ہو رہا ہے وہ سنگِ آستانہ

غمِ فوت سے بندے آزاد رہ  
خدا ہے تو کیا غم ہے دل شاد رہ

چاہ میں دل پر ظلم و ستم ہے جو روجھا ہے کیا کیا کچھ  
درد و الم ہے کلفت و غم ہے رنج و بلا ہے کیا کیا کچھ  
عاشق کے مرجلنے کے اسباب بہت رسوائی میں  
دل بھی لگا ہے، شرم و حیا ہے، مہر و وفا ہے کیا کیا کچھ  
دل لینے کو فریفتہ کے بہتر کچھ ہے یا رکنے  
غمزہ و عشوہ چمک، چتون ناز و اداس ہے کیا کیا کچھ  
حسرت و وصل اندوہ جدائی خواہش کا ہنس و ہنوت  
یوں تو چلا ہوں اکیلا لیکن ساتھ چلا ہے کیا کیا کچھ



کیا کہیے جب میں نے کہا ہے تیرے مغرور اُس پر تو  
اپنی زباں منت کھول تو اُن نے اور کہا ہے کیا کیا کچھ

---



## دولف اے

میں تو تنک صبری سے اپنی رہ نہیں سکتا اک دم بھی  
نازد وغرور بہت ہے اُس کا لطف نہیں ہے کم کم بھی

نقدِ دل غفلت سے کھو یا راہ کھوٹی کر گئے  
کار و اں جاتا رہا ہم خواب ہی میں مر گئے  
واعظِ ناکس کی باتوں پر کوئی جانا ہے تیر  
آؤ میخانے چلو تم کس کئے کہنے پر گئے

اے کاش کوئی جا کر کہہ آئے یا رہے بھی  
یاں کام جا چکا ہے اب اختیار سے بھی  
یک معنی شگفتہ سوزنگ بندہ گئے ہیں  
الوانِ گل ہیں ہر سو ابکی بہار سے بھی  
جان و جہاں سے گزرا میرِ حزن کی خاطر  
بچ کر نکلتے ہیں دے میرے مزار سے بھی



خوار پھرایا گلیوں گلیوں سر مارے دیواروں سے  
 کیا کیا اُن نے سلوک کیے ہیں شہر کے غرت داروں سے  
 وہ جو "ماہ زمیں گرد" اپنا دُور پھرے ہے ان روزوں  
 شوق میں ہر شرب حرف و سخن ہے ہم کو فلک کے تاروں سے

کچھ نہیں اور دیکھے ہیں کیا کیا خواب کا سا ہے یاں کا علم بھی  
 حرم کبے کا نہ پایا بھید نہ ملا واں کا ایک محرم بھی  
 کھپ ہی جاتا ہے آدمی اے میر آفتِ جاں ہے عشق کا غم بھی

آتشِ خود مغرور سے ویسے عمدہ برا ہو کیا کوئی  
 دل کو جلاوے، منت رکھے، جی مارے احسان کمرے

پاست درگا ہوں میں شرب کرتے تھے شاید بازیا  
 بیخ لے کر ہاتھ میں یا میرا اب حضرت ہوئے

باغ میں سیر کعبو ہم بھی کیا کرتے تھے  
 روشِ آبِ رواں پہلے پھرا کرتے تھے



غیرتِ عشق کس وقت بلا تھی ہم کو  
 ٹھوڑی آزر دگی میں ترکِ وفا کرتے تھے  
 ماٹل کفرِ جوانی میں بہت تھے ہم لوگ  
 دیر میں مسجدوں سے دیر رہا کرتے تھے  
 اب تو بے تابئی دل نے ہمیں بھلا ہی دیا  
 آگے رنج و تعبِ عشق کھنچا کرتے تھے

دُنیا کی قدر کیا جو طلب گار ہو کوئی  
 کچھ چیز مال ہو تو خسریا رہا ہو کوئی  
 کیا ابرِ رحمت اب کے ہرستا ہے لطف سے  
 طاعت گزریں جو ہو سو گنہگار ہو کوئی  
 چپکے ہیں ہم تو حیرتِ حالاتِ عشق سے  
 کرے بیاں جو واقفِ اسرار ہو کوئی  
 یکساں ہوئے ہیں خاک سے پامال ہو کے ہم  
 کیا اور اُس کی راہ میں ہموار ہو کوئی  
 کیا اضطرابِ دل سے کہے تیرے عشق  
 یہ حال سمجھے وہ جو گرفتار ہو کوئی



اُن حنائی دست و پاسے دِلگی سی ہے ابھی  
میں نے ناخن بندی اپنی عشق میں کی ہے ابھی

اے کاش قیامت میں دیویں اُسے عشق کو  
گر حُسنِ عمل کی واں لوگوں کو جزا دینگے

دیر سے ہم کو بھول گئے ہو، یاد کرو تو بہتر ہے  
غمِ حرام کا کتب کھینچیں، شاد کرو تو بہتر ہے  
زخمِ دامنِ جگر سے جامہ گزارا رہی ہو نہ سکی  
ظلم نمایاں اب کوئی ایجاد کرو، تو بہتر ہے  
عشق میں دم مارا نہ کھو تم چپکے چپکے روٹے میر  
لو ہو منہ سے مل کر اب فریاد کرو تو بہتر ہے

لو میری آنکھوں میں آتا نہیں جگر کے مگر زخم سب بھر گئے

اے کاش اب نہ چھوڑے صیاد قیدیوں کو  
جی ہی سے مارا فی ہے آزادی بے پری کی



گز رہے بسانِ صرصرِ عالم سے بے تامل  
افسوسِ تیر تم نے کیا سیرِ سرسری کی

حسرت سے دیکھ رہا ہوا سے نامہ برُمنہا اُس کا  
بس اور کچھ نہ کہتا ہرگز صری نہ بانی  
یہ تیر تو غم اپنا برسوں کہا کریں گے  
اب رات کم ہے سو ڈہس ہو چکی کہانی

چلو چمن میں جو دل کھلے ٹک ہم غمِ دل کہا کریں گے  
طیور ہی سے بکا کریں گے، گلوں کے آگے بکا کریں گے  
وصالِ خواباں نہ کر تمنا کہ زہر شیریں ہی ہے اُن کی  
خراب و رسوا جدا کریں گے، ہلاکِ دل کر جدا کریں گے  
مگر وہ رشکِ بہار سمجھے کہ رنگ اپنا بھی ہے ابابا  
ورق خزاں میں جو زرد ہوں گے غمِ دل اُس پر بکا کریں گے  
غمِ محبت میں تیر ہم کو ہمیشہ جلتا، ہمیشہ مرنے والا  
صعوبتِ ایسی، دماغِ رشتہ کہاں تک ہم وفا کریں گے



سنو سرگزشت اب ہمار ہی بانی      سنی گرچہ جاتی نہیں یہ کھانی  
 بہت نذریں مانیں کہ مانے وہ کہنا      ولیکن مری بات ہرگز نہ مانی  
 ملا دیتی ہے خاک میں آدمی کو      محبت ہے کوئی بلا آسمانی

چلتے ہو تو چمن کو چلیے، کہتے ہیں کہ مہاراں ہے  
 پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں، کم کم باد و باراں ہے  
 رنگ ہوا سے یوں ٹپکے ہے جیسے شراب چواتے ہیں  
 آگے ہو میخانے کے نکلو عہد باد، گساراں ہے  
 دل ہے داغ، جگر ہے ٹکڑے، آنسو سائے خون ہوئے  
 تو ہو پانی ایک کرے یہ عشق لالہ عساراں ہے

گرچہ نظر ہے پشتِ پا پر، لیکن قہر قیامت ہے  
 گرٹ جاتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اُس کی شرابی ہوئی  
 جنگل جنگل شوق کے مارے ناقہ سوار، پھرا کی ہے  
 مجنوں جو صحرائی ہوا تو لیلے بھی سودائی ہوئی  
 دُودِ دل سوزانِ محبت محو ہو تو عرش پہ ہو  
 یعنی دُور تجھے گی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی



جنون کے انداز سے ظالم ترکِ مروت پیدا ہے  
اہلِ نظر سے چھپتی نہیں ہے آنکھ کسو کی چھپائی ہوئی  
میر کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہنے رہا طے سے پری میں  
رقص کُناں بازار تک آئے عالم میں رسوائی ہوئی

موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے ہرے ہرے  
پودے چمن میں پھولوں سے دیکھے بھرے بھرے  
آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز  
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے  
مرتا تھا میں تو باز رکھا مرنے سے مجھے  
یہ کہہ کے ”کوئی ایسا کرے ہے ارے ارے“  
گلشن میں آگ لگ رہی تھی رنگِ گل سے تیر  
بلبل پکار رہی دیکھ کے جھٹا پرے پرے

ہمارے تیرے مودت ہے دوستداری ہے  
ہزار سابقوں سے سابق ایک باہی ہے  
نگاہِ غور سے کر میر، سارے عالم میں



کہ ہے جو عین حقیقت وہی تو ساری ہے

نہ خاطر پر الم تیرے، نہ دل پر کچھ ستم تیرے  
محلّی رحم ہو دین کس طرح مظلوم ہم تیرے

عشق میں کھوٹے جاؤ گے تو بات کی تہ بھی پاؤ گے  
قدر ہمارے کچھ جاؤ گے دل کو کہیں جو لگاؤ گے  
صبر کہاں بے تابئی دل سے چین کہاں بے خوابی سے  
سو سو بار گلی میں تکتے گھر سے باہر آؤ گے  
رنگ محبت کے ہیں کتنے کوئی تمہیں خوش آوے گا  
خون کرو گے یا دل کو یا داغ جگر پہ چلاؤ گے

فرہاد و قیس گزرے اب شور ہے ہمارا  
ہر کوئی اپنی نوبت دودن بجا گیا ہے  
رُسا، خراب، غم کش، دل خستہ محبت  
عاشق کو تیرے غم میں کیا کیا کہا گیا ہے



ق اے تیر شعر کہنا کیا ہے کمال انساں  
 یہ بھی خیال سا کچھ خاطر میں آ گیا ہے  
 شاعر نہیں جو دیکھا تو تو ہے کوئی ساحر  
 دو چار شعر پڑھ کر سب کو رہا گیا ہے

اگرچہ مارا بگڑ کے مجھ کو ولیک لطف و کرم سے پھر بھی  
 نشان میرے مزار کا وہ سر رہ اپنی بنا گیا ہے

صبر کر رہ جو وہ عتاب کرے      ورنہ کیا جانے کیا خطاب کرے  
 عشق میں دل بہت ہے بے آرام      حین دیوے تو کوئی خواب کرے  
 وقت یاں کم ہے چاہیے آدم      کرنا جو کچھ ہو سو شتاب کرے  
 میرا اٹھ ہنگامے سے کہے گیا      کیا کرے جو خدا خراب کرے

کسو سباق سے تحریرِ طولِ شوق نہ ہو  
 زبانِ خامہ لسان اس میں قاصر ہے

دل کی نہیں بیماری ایسی جس میں ہو اتید ہی



کیا سنبھلے گا تیرا ستم کش وہ تو مارا غم کا ہے

فرصت ہے یاں کم رہنے کی بات نہیں کچھ کہنے کی  
آنکھیں کھول کے کان جو کھولو ہر دم جہاں افسانہ ہے

میں اُس کی جُدائی میں تصدیق بہت پائی  
درویشی و کم پائی سبے صبری و تنہائی  
تھا صبر و سکون جب تک رہتا تھا مجھے غم سا  
بے تابئی دل سر پہ ایک اور بلا لائی

عالم ہیئت مجموعی سے ایک عجیب مرقع ہے  
ہر صفحے میں ورق میں اُس کے دیکھے تو عالم دیکھے

خوش دل سے جی کی تاب گئی	آنکھیں اُس سے لگیں سو خواب گئی
بوسے گل یا نوا سے بلبل تھی	عمر افسوس کیا شباب گئی
نمک حسن سبز سے اسے تیر	سارے ہی کیفیت شراب گئی



دیکھ رہیے خرامِ نازِ اُس کا  
 پر کسو باس جب رہا بھی جا  
 دروِ دل طول سے کہے شبن  
 رو بروا اُس کے جو کہا بھی جا  
 کیا کوئی اُس گلی میں آئے تیر  
 آوے تو لو ہو میں نہا بھی جا

---

اس دشت سے غبارِ ہمارا نہ ٹک اُٹھا  
 ہم خانماں خراب نہ جانا کدھر رہے  
 دونوں طرف سے دیدہ درائی نہیں ہے خوب  
 اس چاہ کا ہے لطف جو آپس میں ڈر ہے

---







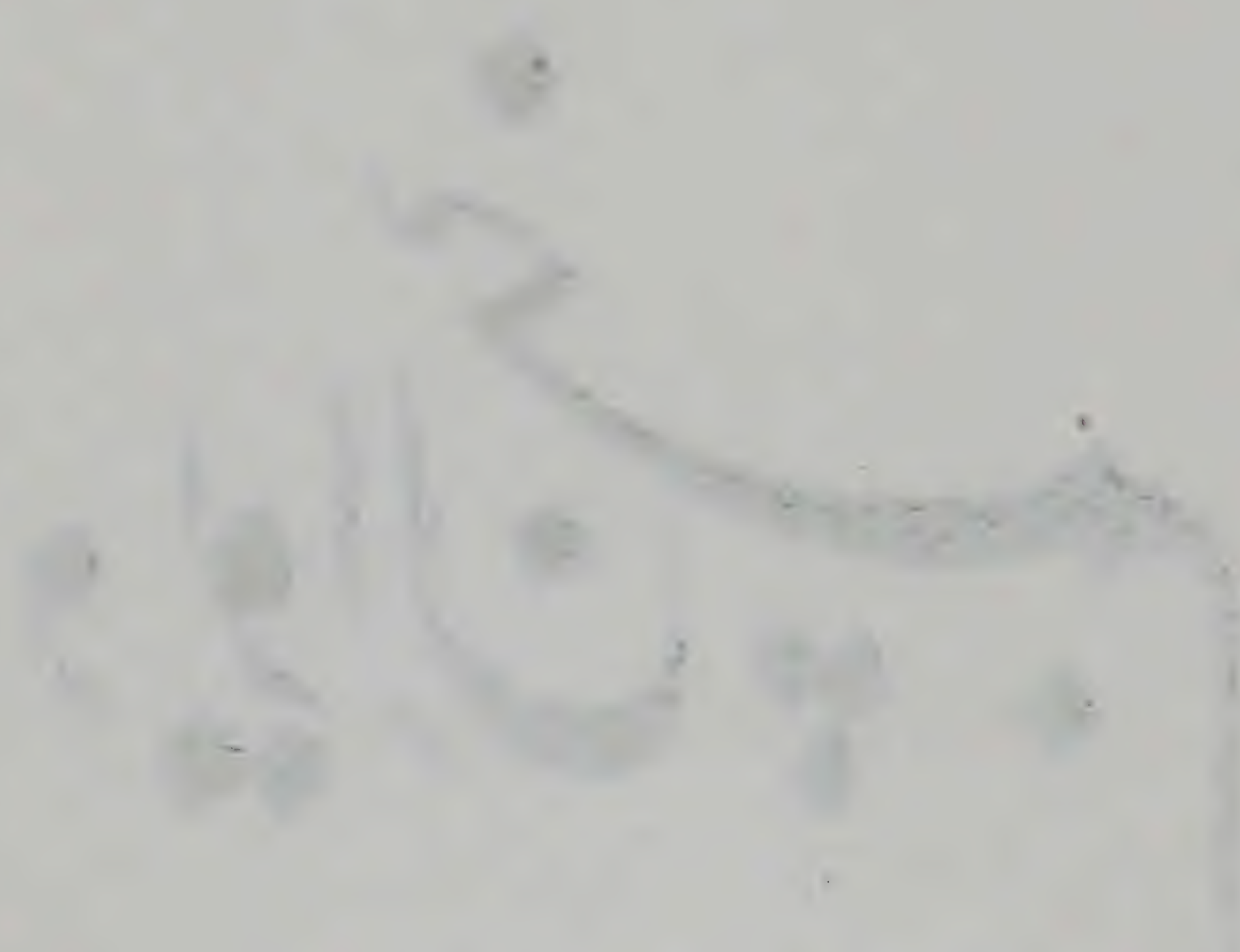




دینار



三





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## دیوانِ بخشیم

دل رفشہ جمال ہے اُس ذوالجلال کا  
 مستجمع جمیع صفات و کمال کا  
 ادراک کو ہے ذاتِ مقدس میں دخل کیا  
 او دھر نہیں گزار گمان و خیال کا  
 ہے قسمتِ زمین و فلک سے غرض نمود  
 جلوہ و گرنہ سب میں ہے اُس کے جمال کا  
 مرنے کا بھی خیال رہے تیرا اگر تجھے  
 ہے اشتیاق جانِ جہاں کے وصال کا

عشق تو بنِ رسوائے عالم باعث ہے رسوائی کا  
 میل و لے اُس خود سر سے ہے جو مانا ہے خدائی کا  
 فرقت پس ہے ہر عضو اُس کا جوں عضو از جا رفتہ تیر



جو کشتہ ہے ظلم رسیدہ اُس کے درِ وجدانی کا

دُور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھے طریقِ غزالوں کا  
وحشت کرنا شیوہ ہے کیا اچھی آنکھوں والوں کا  
سرِ ولب جو، لالہ و گل، نسرین و سمن ہیں، شکوئے بھی  
دیکھو جدھر اک باغ لگا ہے اپنے رنگیں خیالوں کا  
غنیچہ ہوا ہے خارِ بیاباں بعدِ زیارت کرنے کے  
پانی تبرک کرتے ہیں سب پاؤں کے میرے چھالوں کا

اگر ہنسنا اُسے سیرِ چمن میں اب کے پاؤں گا  
تو بلبلِ آشیاں تیرا کھی میں کھولوں سے چھاؤں گا  
دماغِ نازِ برداری نہیں ہے کم دماغی سے  
کہاں تک ہر گھڑی کے روٹھے کوپروں مناؤں گا  
ابھی ہوں منتظر جاتی ہے چشمِ شوق ہر جانب  
بلند اُس تیغ کو ہونے تو دو سر بھی جھکاؤں گا

رہوائے شہر ہے یاں حرف و سخن بہار



کیا خاک میں ملا ہے افسوس فن ہمارا  
 نعلِ ریاض میں شبِ مہتاب کے نہیں گل  
 انگاروں سے بھرا ہے اُس بن چین ہمارا

سخنِ مشتاق ہے عالم ہمارا غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا  
 رہے ہم عالمِ سستی میں اکثر رہا کچھ اور ہی عالم ہمارا  
 رکھے رہتے ہیں دل پر ہاتھ لے کر یہیں شاید کہ ہے سب غم ہمارا

کیا پوچھو ہو کیا کہتے میاں دل نے بھی کیا کام کیا  
 عشق کیا، نا کام رہا، آخر کو کام تمام کیا  
 کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے  
 آخر دل کی بے تابی سے خط بھیجا، پیغام کیا  
 ریگستاں میں جا کے رہیں یا سنگستاں میں ہم جوگی  
 رات ہوئی جس جاگہ ہم کو ہم نے وہیں بسرام کیا  
 میر جو ان نے منہ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی  
 لطف کیا احسان کیا انعام کیا، اکرام کیا

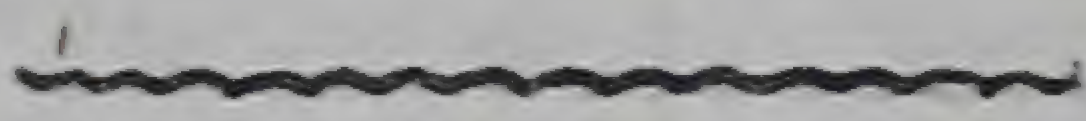


عشق ہو جو جوان کا یا اُنس ہو انسان کا  
 لاگ جی کی جس سے ہو دشمن ہے اپنی جان کا  
 عاشق و معشوق کی میں طرفہ صحبت سیر کی  
 ایک جی مارے ہے، مرہون ایک ہے حسان کا  
 مرنا اُس کے عشق میں خالی نہیں ہے حُسن سے  
 رشک کے قابل ہے جو کُشتہ ہے اس میدان کا  
 گر پڑیں گے ٹوٹ کر اکثر شمارے چرخ سے  
 ہل گیا جو صبح کو گوہر کسو کے کان کا  
 ہر ورق ہر صفحے میں اک شعر شورا نگیز ہے  
 عرصہ محشر ہے عرصہ میرے بھی دیوان کا  
 بات کرتے جانے سے مُنٹھ تک مخاطب کے جھلک  
 اُس کا لعل لب نہیں محتاج رنگِ پان کا  
 کیا کہوں مبارک زمانہ کُشتہ و مُردہ ہے میر  
 اُس کے اک انداز کا اک ناز کا اک آن کا

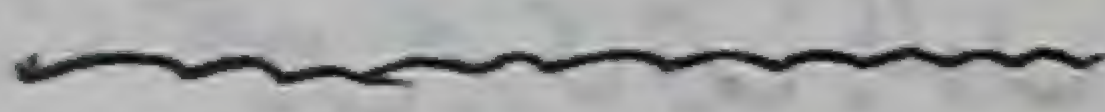
عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گئی آرام گیا  
 جی کا جانا ٹھہرا ہے صبح گیا یا شام گیا



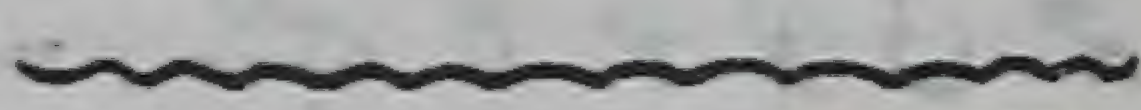
عشق کیا سودین گیا، ایمان گیا، اسلام گیا  
 دل نے ایسا کام کیا کچھ جس سے میں ناکام گیا  
 ہاے جوانی کیا کیا کہتے شورسروں میں رکھتے تھے  
 اب کیا ہے وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا



طوفِ مشہد کو کل جو جاؤں گا      تیغِ قاتل کو سر چڑھاؤں گا  
 وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا      کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا  
 چھانٹا ہوں کسو گلی کی خاک      دل کو اپنے کھجوتو پاؤں گا  
 اُس کے درپہی ہے تاب و تواں      گھر تلک اپنے کیونکے جاؤں گا



خیال چھوڑوے واعظ تو بے گنا ہی کا  
 رکھے ہے شوق اگر رحمتِ الہی کا



پلو سے اٹھ گیا ہے وہ نازنیں ہمارا  
 جزوِ داب نہیں ہے پلو نشیں ہمارا  
 حرف و سخن تھے اپنے یاد ہستاں ہاں میں  
 مذکور بھی نہیں ہے یا اب کہیں ہمارا



کیا خاک میں ملایا ہم کو سپردوں نے  
 ڈھونڈے نشانِ تربت پاتے نہیں ہمارا  
 حالت ہے نزع کی یاں، آؤ کہ جاتے ہیں ہم  
 آنکھوں میں منظر ہے دم واپس ہیں ہمارا

آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئی ادھر سے آوے گا  
 یا کہ نوشتہ اُن ہاتھوں کا قاصد ہم تک لاوے گا  
 عاشق ہووے وہ بھی یارب تا کچھ اُس سے کہا جائے  
 یعنی حال سُنے گا دل سے دل جو کسو سے لگاوے گا  
 چٹون بیٹھ ب، آنکھیں پھری ہیں، پلکوں سے بھی نظر چھوٹی  
 عشق ابھی کیا جانے ہم کو کیا کیا تیر دکھاوے گا

طائفِ رستہ کعبے کا جو کوئی مجھ سے پوچھے گا  
 جانبِ وزیرِ اشارت کر کے راہِ ادھر کی بھلاؤں گا

خوگر ہونا حزن و بکا سے تیر ہمارا یوں ہی نہیں  
 برسوں روتے کڑھتے سے تب ہم دل کو غمناک کیا



بعد ہمارے اس فن کا جو کوئی ماہر ہو وہی گے گا  
درد آگیاں اندازہ کی باتیں اکثر پڑھ پڑھو وہی گے گا

ناگاہ جس کو عشق کا آزار ہو گیا  
سہل آگے اُس کے مردنِ دُشوار ہو گیا  
ہے حُسن کیا متاع کہ جس کو نظر پڑی  
وہ جان بیچ کر بھی خسریا ہو گیا

ترے غم کے ہیں خواہاں سب نہ کھا غم  
کمی کیا ہو گئی جو اک میں نہ ہوں گا  
نہ وہ آوے نہ جاوے بے قراہی  
نخسی دن تیر یوں ہی مر رہوں گا

میر نہ اپنے دردِ دل کو مجھ سے کہا کر روز و شب  
صُبح جو گوشِ دل سے سُنا تھا دل میں میرے دردِ ہوا

آگے عالم عین تھا اُس کا اب عینِ عالم ہے وہ



اُس وحدت سے یہ کثرت ہے یاں میرا سب گیاں گیا  
 مطلب کا سرِ رشتہ گم ہے، کوشش کی کوتاہی نہیں  
 جو طالب اس راہ سے آیا خاک بھی یاں کی چھان گیا  
 خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا تھوڑی ہے  
 اب سرِ خاک بھی ہو جاوے تو سر سے کیا احسان گیا  
 کیونکے جہت ہو دل کو اُس سے تیرا مقام حیرت ہے  
 چاروں اُور نہیں ہے کوئی یاں واں یوں ہی دھیان گیا

دل تڑپے ہے جان کھپے ہے حال جگر کا کیا ہو گا  
 مجنوں مجنوں لوگ کھے ہیں مجنوں کیا ہم سا ہو گا

صنعتگر یاں بہتری کیں، لیک دریا ہزار دریغ  
 جس سے بار بھی ملتا ہم سے ایسا وہ نہ ہنر آ یا  
 گل تھے سو سو رنگ پر ایسا شورِ طیور بلند نہ تھا  
 اُس کے رنگ چمن میں شاید کوئی پھول نظر آ یا

غزل مسلسل



اب یاں سے ہم اٹھ جائیں گے، خلقِ خدا، ملکِ خدا  
 ہرگز نہ ایدھر آئیں گے، خلقِ خدا، ملکِ خدا  
 مطلب اگر یاں کم ہوا اندیشے کی جاگہ نہیں  
 جا کر کہیں کچھ پائیں گے، خلقِ خدا، ملکِ خدا  
 دل میں نہ جانے یہ کوئی ہم کھانے کو دے ہیں انہیں  
 جو ہے مقدر کھائیں گے، خلقِ خدا، ملکِ خدا  
 گو لکھنؤ ویراں ہوا، ہم اور آبادی میں جا  
 مقسوم اپنا لائیں گے، خلقِ خدا، ملکِ خدا  
 اس سستی سے اٹھ جائیں گے درویشوں کی کیا مشورت  
 وہ بھی یہی فرمائیں گے، خلقِ خدا، ملکِ خدا  
 تو میر ہووے گا جہاں، امرِ قضا کے تابع  
 روزی تجھے پہنچائیں گے، خلقِ خدا، ملکِ خدا

اُس کی سی جو چلے ہے راہ تو کیا      آسماں پر گیا ہے ماہ تو کیا  
 لڑکے ملنا ہے آپ سے بے لطف      یار ہووے نہ عذر خواہ تو کیا  
 کب بُرخ بدر ایسا روشن ہے      ایک شب کا ہے اشتباہ تو کیا  
 دل رہے وصل جو مدام ہے      مل گئے اُس سے گاہ گاہ تو کیا



ایک اللہ کا بہت ہے نام  
تیر کیا ہے فقیر مستغنی  
جمع باطل ہوں سوالہ تو کیا  
آوے اُس پاس بادشاہ تو کیا

بے تاب یوں کے جور سے میں جب کہ مر گیا  
ہو کر فقیر صبر مری گور پر گیا

دل گیا مُفت اور دُکھ پایا  
جب سے بے خود ہوا ہے اُس کو دیکھ  
ہو کے عاشق بہت میں بچ پایا  
آپ میں تیر بھیر نہیں آیا

بات کہتے جی کا جانا ہو گیا  
جائے بوندن تو نہ تھی دُنیا دِل  
مرنا عاشق کا بہانا ہو گیا  
ماہ اُس کو کہہ کے سارے شہر میں  
اَلْفِ سَاقَا اِنّا آنا ہو گیا  
رفتہ رفتہ اُس پر ہی کے عشق میں  
مجاہدِ شکلِ مُنہ دکھانا ہو گیا  
میر سا دانا دانا ہو گیا

چاہ میں جور ہم پر کم نہ ہوا  
یار ہمارا نعلینِ حسنِ و قَم نہ تھا  
عاشقی کی تو کچھ سہم نہ ہوا  
و اے مر دے میں بھرے وہم نہ ہوا



تنگ پوشی تنگ و رزی اُس کی جی میں کھپ گئی  
کیا ہی وہ محبوب خوش تر کیوں خوش پوشاک تھا

جدا اُس سیم تن سے کیا سونا  
بہت کی جستجو اُس کو نہ پایا  
تماشا دیکھنے ہنستا چلا آ  
جگر کے زخم ہیں شاید ملک بند  
وصیت میر نے مجھ کو ہی کی  
کہ مٹی کوڑے کا اب ہے بچھونا  
ہمیں درپیش ہے اب جی کا کھونا  
کرے ہے شیشہ بازی میرا رونا  
فرہ کچھ آنسوؤں کا ہے سلونا  
کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

سرمارنا پتھر سے یا ٹکڑے جگر کرنا  
اس عشق کی وادی میں ہر نوع لہر کرنا

دل کے خوں ہونے کا غم کیا اب سے تھا  
سیلہ کو بی سخت ماتم کب سے تھا  
اُس کی مقتولی کا ہم کو رشک ہے  
دو قدم جو گشتہ آگے سب سے تھا



بزم کی عیشِ شب کا ہاں دن ہونے ہی یہ رنگ ہوا  
 شمع کی جاگہ دُورِ تنک تھا، خاکستر پروا نہ تھا  
 طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب  
 رونے رونے ہنسنے لگا یہ میرِ عجب دیوانا تھا

ناخن سے بوا لہوس کا گلا یوں ہی چھل گیا  
 بو ہو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا  
 شبنم کی سی نمود سے میں تھا عرقِ عرق  
 یعنی کہ ہستی ننگِ عدم تھی، خجل گیا

عالمِ مستی کیا عالم تھا غمِ دنیا و دیں کا نہ تھا  
 ہوش آیا ہے جب سے سر میں شوق رہا اس عالم کا

تہائی، بے کسی مری یک دشت تھی کہ میں  
 جیسے جرس کا نالہ جرس سے جُدا گیا

غربت ہے دل آویز بہت شہر کی اس کے



آیا نہ کبھو ہم کو خیال اپنے وطن کا  
 جب زمرہ کرنی ہے صدا چھتی ہے لہں  
 بیل سے کوئی سیکھ لے انداز سخن کا



## دولفاب

عالم کے لوگوں کا ہے تصویر کا سا عالم  
ظاہر کھلی ہیں آنکھیں، لیکن ہیں بے خبر سب  
تیرا اس خرابے میں کیا آباد ہووے کوئی  
دیواہ و درگزرے ہیں، ویراں پڑے ہیں گھر سب

عشق و جنوں کی کیا اب تدبیر ہے مناسب  
زنجیر ہے مناسب، شمشیر ہے مناسب

چور اچکے، سکھ، مرہٹے، شاہ و گداز خواہاں ہیں  
چین میں ہیں جو کچھ نہیں رکھتے فخر ہی اک دولت ہے اب

موسم گل کا شاید آبا داغ جنوں کے سیاہ سجے  
دل کھینچتا ہے جانبِ صحرا، جی نہیں لگتا گھر میں اب



باہم ہوئی ہے ترک ملاقات کیا سبب  
 اب کم بہت ہے ہم پہ عنایات کیا سبب  
 ہم تو تمھارے حسن کی حیرت سے ہیں خموش  
 تم ہم سے کوئی کرتے نہیں بات کیا سبب  
 اُس کی نگاہِ مست تو او دھر نہیں پڑی  
 مسجد جو ہو گئی ہے خرابات کیا سبب

دل کے گئے بے کس کھلائے اب کہاں ہمدم ہے اب  
 کون ایسے محروم و غمیں کا ہمارا نہ ہمدم ہے اب  
 سینہ زنی ہے، غمزدگی ہے، سر دھنا ہے، رونا ہے  
 دل جو ہمارا خون ہوا ہے اس سے بلانا تم ہے اب  
 زردی چہرہ، تن کی نزاری، بیماری، پھر جاہت بھی  
 دل میں غم ہے مڑ گاں تم ہے، حال بہت درہم ہے اب  
 عشق ہمارا آہ نہ پوچھو کیا کیا رنگ بدلتا ہے  
 خون ہوا دل داغ ہوا بھر، درد ہوا بھر غم ہے اب  
 ملنے والا پھر ملے گا، ہے وہ عالم دیگر میں  
 تیر فقیر کو شکر ہے یعنی، مستی کا عالم ہے اب



## روایت

حرف و سخن اب تنگ ہوئے اُن لوگوں کا ساتھ اپنے  
منہ کرنے سے جن کی طرف آتی تھی ہم کو عار بہت

باو صبل نے سخن چین میں اُس چہرے کی چلائی بات  
اس لب و لہجہ پر بلبل کو اُس کے آگے نہ آئی بات  
دور تک قاصد کے پیچھے کچھ کہتا میں جاتا تھا  
شوقِ ستمکش ظالم نے کیا رفتہ رفتہ بڑھائی بات  
لعل کو نسبت اُن ہونٹوں سے دینا سب کا تصنع تھا  
کچھ بن آئی جب نہ کسو سے تب یہ ایک بنائی بات  
غیر سے کچھ کچھ کہتا تھا سو سامنے سے میرا یا میں  
پھر لیا منہ میری طرف سے یعنی مجھ سے چھپائی بات

ارض و سما کی پستی بلند ی اب تو ہم کو برابر ہے  
یعنی نشیب و فراز جو دیکھے طبع موئی ہموار ہے



سو غیروں میں ہو عاشق تو ایک اُسی سے شرماویں  
اس مستی میں آنکھیں اُسکی رہتی ہیں ہشیار بہت

کہ کے فنا عاشق و وفا کا لوگ محبت کرتے تھے  
اب وہ نازِ کھانی اُن کی گویا ہے مُتھ کی بات  
کس کو دماغِ جواب رہا ہے ضعیف سے ہم خاموش ہے  
پروں بکنا نصیحت گر سے تیر یہ ہے طاقت کی بات

چشمِ رہتی ہے اب پُر آب بہت	دل کو میرے ہے اضطراب بہت
دیکھے رفتہ رفتہ کیا ہووے	تابِ دل کم ہے بیچ و تاب بہت
مہر و لطف و کرم عنایت کم	ناز و خشم و جفا عتاب بہت
بُشتِ پاپ ہے چشمِ شوخ اُس کی	ہاے ہاے ہم سے ہے حجاب بہت
واں تک اپنی دعا پہنچتی نہیں	عالی رتبہ ہے وہ جناب بہت

درِ مسجد پہ ہو کر بے نوا بیٹھے ہیں یا یادِ  
ہمیں تھے ورنہ میخانے کے تکیہ دار، قہمت  
نصیبوں میں جن کے عیش وہ بھی میرے جیسے ہیں



جیے ہیں ہم بھی جو مرنے کو تھے طیا، قسمت

---



## رویفات

راتوں سننا ہے ملے یوں نہیں کہتا کبھو  
میر دل آزد وہ کو کہن نے ستا یا عبت



## رویفاج

کس تازہ قتل پر کشندے تیرا ہوا ہے گزارا آج  
 بڑہ دامن کی بھری ہے اوسے کس کو تو نے مارا آج  
 کل تک ہم نے تم کو رکھا تھا سو پردوں میں کلی کے رنگ  
 صبح شگفتہ گل جو ہو سے تم سب نے کیا نظار آج  
 جہنم مشتاق اس لب دُخ سے لُحی لُحی اُٹھتی نہیں  
 کیا ہی لگے ہے اچھا اُس کا کھڑا پیارا پیارا آج  
 اب جو نسیم معطر آئی شاید بال کھلے اُس کے  
 شہر کی ساری گلیاں ہو گئیں گویا عنبر سارا آج  
 تیرے ہو ہو ہو بخود کب کے آپ میں بھی تو ٹک آؤ  
 ہے دروازے پر انبوہ اک رفته شوق تمہارا آج

اُس کا بھر حُسن سہرا سراج و موج و تلاطم ہے  
 شوق کی اپنی نگاہ جہاں تک جاوے بوس و کیا ہے آج  
 غشہ غشہ غشہ غشہ غشہ غشہ غشہ غشہ



یعنی ہاتھ میں مجنوں کے ناقے کی اُس کے ہاں ہے آج

رنگ یہ ہے دیدہ گریاں سے آج  
لوہو ٹپکتا ہے گریباں سے آج

جہاں کے لوگوں میں جس کی تھی کل تہیں توت  
اُسی عزیز کو دیکھا ذلیل و خواہ ہے آج  
سحر سواد میں چل نہ دیکھولی ہے سر سول  
ہوا ہے عشق ہی کل نہ دیکھا بہا ہے آج



## ردیف: ج

دعدے کرو ہو برسوں کے تم دُغم کا بھر و ساہم کو نہیں  
کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے پاں اک پل ایک آن کے بیچ

فصلِ گل میں اسیر ہوئے تھے مَن کی رہا ہے مَن کے بیچ  
اُس پر ستم یہ تازہ ہے ہم پر۔ قید کیا ہے چمن کے بیچ

اُس کے رنگ کھلا ہے شاید کوئی پھول بہا کے بیچ  
شور مڑا ہے قیامت کا سا چار طرف گلزار کے بیچ  
کوئی شکارِ رُغم خور وہ سے جا کے کہے ٹپک پھر کر دیکھ  
کوئی سوا ہے تیرے پیچھے گرد و خاک و غبار کے بیچ  
چشمک غمزہ غشوہ کرشمہ آن انداز و ناز و ادا  
حُسن سوائے حُسنِ ظاہر، میرِ بہت ہیں یا کے بیچ

اے بوئے گل سمجھ کے مہکے یون کے بیچ



زخمی پڑے ہیں مرغ ہزاروں گمن کے بیچ

---



## دلیف: ح

لوہو میں ڈوبے دیکھو داماں و جیبِ مہر  
بچھرا ہے آج دیدہ خونبار بے طرح

وہ نوباوہ گلشنِ خوبی سب سے رکھے ہے نرالی طرح  
شاخِ گل سا جاے ہے لہکا اُن نے نہی یہ ڈالی طرح



## دیف بخ

جھمک سے اُس کے بدن میں ہر ایک جا ہے شوخ  
 بزنک برق سراپا وہ خود نما ہے شوخ



## دولیف :- د

برسوں میں اقلیم جنوں سے دو دیوانے نکلے تھے  
میر آوارہ شہر ہوا ہے، قلیس ہوا ہے بیاباں گرد

کم ناز سے ہے کس کے بندے کی بے نیاز  
قالب میں خاک کے پاں پہناں خدا ہے شاید  
قیدِ فراق سے تو جھوٹیں جو مر رہیں ہم  
اس درِ بے دوا کی مراد دوا ہے شاید

حیرت سے حسنِ گل کی چپکا ہوا ہوں ورنہ  
ظہانِ باغ میں ہوں میں خوش زباں زباں زد

کچھ ہوش نہ تھا منبر و محراب کا ہم کو  
صدِ شکر کہ مسجد میں ہوئے مستی میں وارہ



## دولف :-

اپنے موئے بھی رنج و بلا ہے ہمسایوں کی جانوں پر  
 کیا کیا سینہ زنی رستی ہے درد و غم کے فسانوں پر  
 تو بھی رباط کھن سے صوفی سیر کو چل تک سبزے کی  
 ابورسہ قبلے سے آکر جھوم پڑا میخانوں پر  
 بعد مرے شے کو میرے ہاتھوں ہاتھ ملک لیں گے  
 سو سو بار لیا ہے میں نے نام اُس کا ان دانوں پر  
 دل کی حقیقت عرش کی عظمت سب کچھ ہے معلوم میں  
 سیر ہی ہے اکثر اپنی ان پاکیزہ مکانوں پر  
 راہ چلو تم اپنی اپنی میرے طریق سے کیا تم کو  
 آنکھوں سے سجدہ میں نے کیا ہے واں پاؤں کے نشانوں

کئی داغ ایسے چلائے جگر پر کہ دے زخمی زن تھے گل ہائے تو پر  
 طرف شاخ گل کی چاک نہ دیکھا نظر تیر کی نمی کسو کی کمر پر



جہاں میں نہ کی تیرا قامت کی نسبت کہ مشعر تھا آنا مرایاں سفر پر

عشق خدائی خراب ہے ایسا جس نے گئے ہیں گھر کے گھر  
کعبہ و دیر کے ایوانوں کے گرے پڑے ہیں دیر کے دیر  
سلم و کافر کے جھگڑے میں جنگ و جدل سے رہائی نہیں  
بوتھوں پہ بوتھیں گرتی رہیں گی کٹتے رہیں گے سر کے سر

چاہ کا جو اظہار کیا تو فرطِ شہم سے جان گئی  
عشقِ شہرت دوست نے آخر مارا بھکودہ سوا کر

زور ہوا ہے چل صوفی ٹک تو بھی، باطل گنہ سے  
ابو قبلہ بڑھتے بڑھتے آیا ہے میخانے پر

روزوں میں رہ سکیں گے ہم بے شراب کیونکہ  
گزرے گا اتقا میں عہدِ شباب کیونکہ  
تھوڑے سے بانی میں بھی چل نکلتے ہیں اچھڑتا  
بے تہ ہے سر نہ کھینچے اکدم حباب کیونکہ



اُجڑے نگر کو دل کے دیکھوں ہوں جب کہوں ہوں  
اب پھر بسے گی ایسی سستی خسرا اب کیونکر

سُنا تم نے جو گزرا ساتھ پھراں میں بارہوں پر  
قیامت غم سے ہر ساعت رہی الفت کے ماروں پر  
بڑی دولت ہے درویشی جو ہو ہمہ قناعت کے  
کہ عرصہ تنگ ہے حرص و ہوا سے تاجداروں پر

کہتے ہیں راہ پائی زاہد نے اُس گلی کی  
روتا کہیں نہ آوے ایمان و دیں کو کھو کر  
ہے نظم کا سلیقہ ہر چہ سب کو لیکن  
جب جائیں کوئی لاوے یوں ہوتی سے پرو کر  
کس کس ادا سے فتنے کرتے ہیں قصیدہ ہر کا  
جب بے دماغ سے تم اٹھ بیٹھتے ہو سو کر  
احوال میر جی کا مطلق کیا نہ سمجھا  
کچھ نہ پر لب کہا بھی، سو دیر دیر رو کر



بھولوں کا موہم کاشکے ہو پڑے سے ہوا کے چٹمک زن  
گل کھائے ہیں ہزار خزاں میں مرغِ چمن نے بہار بغیر

کیا دیکھتا ہے ہر گھڑی اپنی ہی سچ کو شوخ  
آنکھوں میں جان آئی ہے ابد ہر نگاہ کو  
رحمت اگر یقینی ہے تو کیا ہے زہد، شیخ  
اے بے وقوف جانے عبادت گناہ کو  
چسپید گئی دعا سے مر تُمُنْھ کو اپنے موڑ  
اے زخمِ کہنہ دل سے ہمارے نباہ کو  
اس وقت ہے دعا و اجابت کا وصل میر  
اک نعرہ تو بھی پیشِ صبح گاہ کو

شوریدہ سر رکھا ہے جب سے اُس آستان پر  
میرا دماغ تب سے ہے ہفتم آسمان پر  
پر کلے آگ کے تھے کیا تالہائے بلبل  
بشنم سے آئے ہیں گل برگ کی زباں پر



یک قطرہ آب اُس بن میں نے اگر پیایا ہے  
نکلا ہے تیر پانی وہ خونِ ناب ہو کر

ابریہ قبلے سے اُٹھ کر آیا ہے سینے پر  
بادہ کشتوں کا جھرمٹ ہے کچھ شیشے کچھ ہیمانے پر  
بے تابانہ شمع برآیا، گرد بھرا، بھر جل بھی گیا  
اپنا جی بھی حد سے زیادہ رات جلا پرولنے پر

ہم کو مٹی کر دیا پامالی گرووں نے تیر  
وہ نہ آ پانا زکرتا نک ہمارے خاک پر



## رویفابہ ز

اُس زلف و کا کل کو گوندھے دیر ہوئی مشاطہ کو  
 سانپ سے پر لہراتے ہیں بال اُس کے بل کھائے ہنوز  
 آنکھ لگے اک مدت گزری پلے عشق جو بیج میں ہے  
 ملتے ہیں معشوق اگر تو ملتے ہیں شرانے ہنوز  
 اسی معیشت اگر لوگوں سے جیسی غم کش میرے کی  
 برسوں ہوئے ہیں اٹھ گئے اُس کو رونے ہیں ہنوز

برسوں سے لکھنؤ میں اقامت ہے محبوبیک  
 یاں کے حلن سے رکھتا ہوں عزم سفر ہنوز

کشمکش ہے تہذیب ہے عجب ہے زبان دراز  
 آتش کا ایسا لائحہ کب ہے زبان دراز  
 پروانہ تیری چرب زبان سے ہوا ملاک  
 لے شمع تو تو کو کوئی غضب ہے زبان دراز



## رویف بس

بارِ ہم سے جدا ہوا افسوس      نہ جدا ہو کے پھر ملا افسوس  
 سب سے بے گانگی کی جس کے لیے      وہ نہیں ہم سے آشنا افسوس  
 رات دن اٹھ ملتے رہتے ہیں      دل کے جانے کا ہے بڑا افسوس  
 مجھ کو کرنا تھا احراز اُس سے      اے افسوس کیا کیا افسوس  
 نوشدارو ہے نیش دار و میر      مست اثر نہیں دوا افسوس

صد بارہ گلا تیرا ہے کمر ضبطِ نفس بس  
 سننا نہیں اس قافلے میں کوئی جرس بس  
 کیا میرا سیروں کو درِ باغ جو وا ہو  
 ہے رنگِ ہوا دیکھنے کو چاکِ قفس بس

نہ معرف نہ آشنا کوئی      ہم ہیں بے یار و بے دیا افسوس

کوئی دن کرے معیشت جا کسو کال کے پاس



ناقصوں میں رہے کیا رہے تو صاحبِ بدل کے پہ



میں نے اپنے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے

میں نے اپنے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے

میں نے اپنے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے  
 جس کو تو نے دل میں کیا ہے



## دیف: ش

کیسا خود گم سر بکھیرے تیرے بازار میں  
ایسا اب پیدا نہیں ہنگامہ اراد دل فروش

عمرِ عزیزِ یاس ہی میں جاتی ہے چلی  
اُمید وار اُس کے نہ ہم ہوتے تیرے کاش



## دلیف: ص

شاعری شیوہ ہے شعارِ خلاص      دین و مذہب مر ہے پیارِ خلاص  
اب کہاں وہ موتِ قلبی      ہووے ظاہر میں یوں ہزارِ خلاص  
سورتِ اخلاص کی پرستھی برسوں  
میر رکھتا نہیں ہے یارِ خلاص



## دیف: ط

گل ہو کے برگ برگ ہوئے پھر ہوا ہونے  
 رکھتے تھے اس چمن کے جو غنچے صبا سے ربط  
 زہنا ریشیت پاسے نہیں اُٹھتی اُس کی آنکھ  
 اُس چشم شرمگین کو بہت ہے حیا سے ربط

خام رہتا ہے آدمی گھر میں پختہ کاری کے تئیں سفر ہے شرط



## دلیف دریغ

سب سے کی دشمنی جنھوں کے یہ  
 دے ہیں نامہ سرباں دریغ دریغ  
 تب کھلی آنکھ میں سر اپنی جب  
 جا چکا کارواں، دریغ دریغ



## رویف ف

صورت کی شیرینی ایسی تلخی زباں کی ایسی کچھ  
منہ دیکھے اُس کا جو کوئی پھر دیکھے ہے زباں کی طرف

کیا نیچی آنکھیں دیکھو ہو تلوار کی طرف  
دیکھو کشمیریوں ہی سے گنگار کی طرف  
شاید متاعِ حسن کھلی ہے کسو کی آج  
ہنگامہ حشر کا سا ہے بازار کی طرف  
عاشق کی اُور نازکناں جاوے ہے کبھو  
جیسے طیب جاوے ہے بیمار کی طرف

نظر کیوں گئی دو دو کی طرف      کھنچا جانے ہے جی کسو کی طرف  
نہ دیکھو کبھی موتیوں کی ٹری      جو دیکھو مری گفتگو کی طرف  
اُسے ڈھونڈتے تیر کھوئے گئے      کوئی دیکھے اس جستجو کی طرف



اے مجھ بغیر لالہ و باغ و بہار حیف  
گل سے چمن بھرے ہوں نہ ہو تو نہرا حیف

---



## رویف بق

ق

عشق سے نظم کل ہے یعنی عشق کوئی ناظم ہے خوب  
 ہر شئی یاں پیدا جو ہوئی ہے موزوں کر لایا ہے عشق  
 عشق ہے باطن اس ظاہر کا، ظاہر باطن عشق ہے سب  
 او وہر عشق ہے عالم بالا ایدھر کو دُنیا ہے عشق  
 واٹر ساڑھے یہ جہاں میں، جہاں تہاں مقرب ہے  
 عشق کہیں ہے دل میں پہاں اور کہیں پیدا ہے عشق  
 موج زنی ہے تیر فلک تک ہر تجھے ہے طوفاں نہ ا  
 سرتا سر ہے تلاطم جس کا وہ اعظم دریا ہے عشق

ق

ارض و سما میں عشق ہے ساری چاروں اُور بکرا ہے عشق  
 ہم ہیں جناب عشق کے بندے، نزدیک اپنے خدا ہے عشق  
 ظاہر و باطن، اول و آخر، پائیں بالا عشق ہے سب



نورِ ظلمت، معنی و صورت سب کچھ آپ ہوا ہے عشق  
 ایک طرف جبریل آتا ہے ایک طرف لانا ہے کتاب  
 ایک طرف پنہاں ہے دیو لوں میں ایک طرف پیدا ہے عشق  
 خاک و باد و آب و آتش سب ہے موافق اپنے مقول  
 جو کچھ ہے سو عشق یہاں ہے کیا کہنے اب کیا ہے عشق



## دیف ک

اب رنج و درد و غم کا پہنچا ہے کام جاں تک  
پر جو صلے سے شکوہ آیا نہیں زباں تک

نعمت رنگارنگِ حق سے ہرہ بختِ سیہ کو نہیں  
سانپ رہا گو گنج کے اوپر کھانے کو تو کھائی خاک

ہر چند کہ دامنِ تئیں ہے چاکِ گرمیاں  
ہم ہیں متوقع کفِ چالاک سے اب تک  
گو خاک سی اُٹتی ہے مرے منہ پہ جوں میں  
ٹپکے ہے لہو ویدہٗ نغمِ ناک سے اب تک

میں دن گور میں بھی بھاری ہیں  
ہاتھ پہنچا نہ اُس کے دامن تک  
عشق مردانہ نے آخر کار  
یعنی آسودگی نہیں نہ خاک  
میں گرمیاں کروں نہ کوں کر جاگ  
کیے فرہاد و قیس و میر ہاک



مقصود گم ہے پھر ناجور ہنسے رات دن  
ہلکان ہو کے ہو گا کبھو آسماں ہلاک  
اُس ظلم کیش کی ہے طرب گاہ ہر کہیں  
عاشقِ خدا ہی جانے ہو لے کہاں ہلاک

---



# دیف گ

نھا کر دبوئے گل سے بھی دہن ہوا کا پاک  
کیا ابکے اس عہن سے گمٹی ہے بہار الگ



## دیف۔ ل

ق

دلِ دلِ لوگ کہا کرتے ہیں تم نے جانا کیلئے دل  
 چشمِ بصیرتِ وایو وے تو عجائبِ دید کی جا ہے دل  
 اوج و موج کا آشوبِ اس کے لے کے نہیں فلک تک ہے  
 صورت میں تو قطرہ خوں ہے معنی میں دریا ہے دل

آئی بہار نکلتے چمن میں ہزار گل  
 دل جو کھلا فسردہ تو جوں بے بہار گل

دعویٰ حُسنِ سراپا مٹھا پہ نازاں شجود و بک  
 شاخیں پُر گل جھک گئیں یعنی بہت شرمائے گل  
 کیا گلِ مہتاب و شبو کیا سمن کیا نسرین  
 اس حدیقے میں نہ نقشِ پائے سکے پائے گل  
 اس چمن میں جلوہ گر جس حُسن سے خواباں نہیں تیر



# موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل

موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل  
موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل  
موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل  
موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل

موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل  
موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل  
موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل  
موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل

موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل  
موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل  
موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل  
موسم گل میں کہیں اس خوبی سے کب آئے گل



## دو لطف بزم

چاہیے کف، اُلفت کلفت، ہر وفا و رنج و بلا  
 عشق ہی کے سب نام ہیں یہ، دل کاش کہیں نہ لگاتے تم  
 شائق ہو مرغانِ قفس کے آئے گھر صیادوں کے  
 پھول اک دو تشکین کو اُن کی کاش مہن سے لاتے تم

کیا کریں بے کس ہیں ہم بے بس ہیں ہم بے گھر ہیں ہم  
 کیونکر اڑ کر پہنچیں اُس تک، طائر بے پر ہیں ہم

## غزل مسلسل بطرزِ دوست

کہا سنتے تو کاہے کو کسو سے دل لگاتے تم  
 نہ جانتے اُس طرف تو ہاتھ سے اپنے نہ جاتے تم  
 تنگی بانی کہاں جو اب لہجہ جاتی ہوئی ہو  
 کہ ہر وہ ناز جس سے سرفرو ہرگز نہ لاتے تم  
 یس خلیق تم میں عشق سے پیدا ہوا، ورنہ



گھڑی کے، دھٹھے کو دو دو ہر تک کب مٹانے تم  
 نظر و بویہ کہو تم ہو مجھ کا رکھتے ہو پلکوں کو  
 لگی ہوئیں نہ آنکھیں تو نہ آنکھوں کو چھپانے تم  
 یہ ساری خوبیاں دل لگنے کی ہیں منت بُرا مانو  
 کسو کا پارِ منت بے علاقہ کیوں اٹھاتے تم  
 پھل کرتے تھے جب مغرور اپنے حسن پر آگے  
 کسو سے دل لگا جو پوچھتے ہو آتے جاتے تم

سوئے تو غنی ہو کسو کلخن کے آس پاس  
 اس تنگ نام میں پاؤں بھی پھیلا سکے نہ ہم

ہم نہ کہا کرتے تھے تم سے دل نہ کسو سے لگاؤ تم  
 وحی دینا پڑتا ہے اس میں ایسا نہ ہو بچتاؤ تم

تظلم کے کھینچے الم پر الم	نہ تم کہ مت کرستم پرستم
علم بازی آہ جاں کاہ سے	رہے ٹوٹتے ہی الم پر الم
کئی بار آیا ادھر لطف سے	عطا پر عطا ہے کرم پر کرم



خطرناک تھی وادی عشق میر  
گئے اس پہ بھی ہم قدم پر قدم

---

میں نے یہ سب کچھ کیا ہے  
میں نے یہ سب کچھ کیا ہے  
میں نے یہ سب کچھ کیا ہے  
میں نے یہ سب کچھ کیا ہے



## رویف بن

پیری ہے اب تو کہتے سو کیا کہتے ہمنشیں  
 کس رنج و غم میں گزری ہیں اپنی جوانیاں  
 ستا نہیں ہے شعر بھی وہ حرف ناشنو  
 دل ہی میں خوں ہوا کیس مری نکتہ و انیاں  
 عالم کے ساتھ جائیں چلے کس طرح نہ ہم  
 عالم تو کاروان ہے ہم کاروانیاں

درا میں کہاں شور ایسا بھرا تھا  
 کسو کا مگر دل رکھا تھا جرس میں  
 تن زار و لاغر میں ظاہر رگیں ہیں  
 بھرا ہے مگو عشق ایک ایک نش میں  
 محبت، وفا، ہر کرتے تھے باہم  
 اٹھا دی ہیں وے تم نے اب ساری سہیں  
 ہوا ہی کو دیکھے ہیں اے میرا سیراں



لگا دیں مگر آنکھیں چاکِ قفس میں

سگفتہ خاطرِ اُس بن کہاں تھی      جہن میں غنچہ پشانی رہا میں  
تعارفِ محفیروں سے نہیں کچھ      ہوا ہوں ایک مدت میں رہا میں

فریاد سے کیا لوگ ہیں دن ہی کو عجب میں  
رہتی ہے خلشِ نالوں سے میرے دلِ شب میں  
پایانہ کنھوں نے اُسے کوشش کی بہت تیر  
سب سالک و مجذوب کئے اُس کی طلب میں

کس کو دل سا مکان دیتے ہیں      اہل اس گھر پہ جان دیتے ہیں  
کیونکہ خوش خاں ہوویں اہلِ جہن      ہم اُنھوں کو زبان دیتے ہیں

جب سے جدا میں اُن سے ہوں حال عجب ہے روز و شب  
چشمِ تر سے ٹپکے ہیں آنسو، خشک لبوں پر آہیں ہیں  
یہ بھی سماں خوش ترکیبوں کا میرزا اپنے دل سے گیا  
سوئے سے اُٹھ کر آنکھیں ملے ہیں لے انگریزانی جاہیں ہیں



ہر چند میرے حق میں کم اُس کا ستم نہیں  
 چو اس ستم سے بامزہ لطف و کرم نہیں  
 حیرت میں سکتے سے بھی مرا حال ہے یہی  
 آئینہ رکھ کے سامنے دیکھا تو دم نہیں  
 شاید جگر کا کام تمامی کو کھینچ گیا  
 یا لو ہو روتے رہتے تھے یا چشمِ نم نہیں

دل جلتے کچھ بن نہیں آتی حال بگڑتے جاتے ہیں  
 جیسے چراغِ آخر شب ہم لوگ ٹپکتے جاتے ہیں  
 ضعفِ دماغ سے اُفتاں خیزاں چلتے ہیں ہم راہ رواں  
 دیکھیں کیا پیش آوے اب تو گرتے پڑتے جلتے ہیں

عشق نے ہم کو مار رکھا ہے جی میں اپنے تاب نہیں  
 دل کو خیالِ صبر نہیں آنکھوں کو سیلِ خواب نہیں  
 کوئی سبب ایسا ہو یا رب جس سے عزت رہ جاوے  
 عالم میں اسباب کے ہیں پڑ پاس اپنے اسباب نہیں  
 رنگِ شکستہ دل ہے شکستہ سر ہے شکستہ مستی میں



حال کسو کا اپنا سا اس سجانے میں خراب نہیں

آنکھیں سفید دل بھی ہلا انتظار میں  
کیا کچھ نہ ہم بھی دیکھ چکے ہجرِ یار میں  
دیکھیں تمہیں ایک روز تری مست آنکھوں میں  
انگڑائیاں ہی لیتے ہیں اب تک خار میں

طلب ہے کامِ دل کی اس کے بالوں کی سپریں  
گدائی شب کو کرتا ہوں خجالت سے فقیری میں  
خزین آواز ہے مرغِ جمن کی کیا جنوں آور  
نہیں خوش زمرہ دیا ہماری ہمصفری میں

عشق کے دیوانے کی سلاسل ملتی ہے تو ڈریں ہیں ہم  
بگڑے پلِ مست کی سی زنجیروں کی جھٹکاریں ہیں  
بڑے بڑے تھے گھر جن کے یاں آثار ان کے یہ ہیں اب  
بیشک نہ دروازے ہیں گری پڑی دیواریں ہیں



حُسن کیا جنس ہے جی اُس پہ لگا بیٹھے ہیں  
 غزلی شہر کے بازار میں آ بیٹھے ہیں  
 ہم وے ہر حید کہ ہم خانہ ہیں دونوں، لیکن  
 روش عاشق و معشوق جُدا بیٹھے ہیں  
 کیونکے یاں اُس کا خیال آئے کہ آگے ہی ہم  
 دل ساگر آتشیں آہوں سے جلا بیٹھے ہیں  
 ساری رات آنکھوں کے آگے ہی مرے رستا ہے  
 گو کہ وے چاند سے کھڑے کو چھپا بیٹھے ہیں

میخانے میں اس عالم کے لغزش پرستوں کی نہ جا  
 سکر میں اکثر دیکھے ہم نے بڑے بڑے یاں ہشیاراں

باری ہماری یکبارہی خاطر سے فراموش اُن نے کی  
 ذکرِ مہار اُس سے کیا سو کہنے لگا کچھ یا نہیں

خوش چشم خوب رویاں دیدہ دراہیں کتنے  
 دُور دیدہ دیکھنے میں دل دیکھتے چاہیں



چلتے ہیں ناز سے جب ٹھوکر لگے ہے دل کو  
آتی نہیں سمجھ میں ان دلیروں کی جاہیں

میکشی صبح و شام کرتا ہوں فاقہ مستی مدام کرتا ہوں

ق

کوئی ناکام ہیں، ہے کب تک میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں  
یا تو لیتا ہوں داؤد دل یا اب کام اپنا تمام کرتا ہوں



## دلیف :-

دل کھلتا ہے واں صحبتِ رندانہ جہاں ہو  
 میں خوش ہوں اُسی شہر میں میخانہ جہاں ہو  
 ان اجرِ حسی ہوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا  
 ہے جی میں وہیں جا بسیں، ویرانہ جہاں ہو  
 وحشت ہے خرد مندوں کی صحبت سے مجھے تیر  
 اب جا رہوں گگا واں کوئی دیوانہ جہاں ہو

کیا فرض ہستی کی رخصت ہے مجھ کو  
 کہیں اپنے رونے سے فرصت ہے مجھ کو  
 چہروں ہوں تیرے عشق میں کوچہ کوچہ  
 مگر کوچہ گردی سے اُلفت ہے مجھ کو



## دلیف ہ

ہاے ستم ناچار معیشت کرنی پڑی ہر خار کے ساتھ  
 جان عزیز گئی ہوئی کاش اب بے سال بہار کے ساتھ  
 وہ لحظہ نہیں جانا جی سے آنکھ رٹی تھی جب اُس سے  
 چاہ نکلتی تھی باتوں سے چٹون بھی تھی پیلے کے ساتھ

اشعار میر سب نے چُن چُن کے لکھ لیے ہیں  
 رکھیں گے یاد ہم بھی کچھ بیتیں حیدہ حیدہ

ہم جلتے تو عشق نہ کرنے کسو کے ساتھ  
 لے جاتے دل کو خاک میں اس آرزو کے ساتھ  
 تھا عکس اُس کے قامتِ دل کش کا باغ میں  
 آنکھیں چلی گئیں ہیں لگی آہِ بچو کے ساتھ  
 ہم زرد کاہِ خشک سے نکلے ہیں خاک سے  
 بالیدگی نہ غلط ہوئی اس نمو کے ساتھ



محتاج گل نہیں ہے گریبانِ غم کشاں  
 گلزارِ اشکِ خویش سے جیب و کنار دیکھ  
 خالی پڑا ہے خانہ دولت و زریہ کا  
 باور نہیں تو آصف، آصف پکار دیکھ

لٹا رہا کشادہ جیب خوب و زشت سے  
 کیا آئینہ کرے ہے سیریاں حیا کے ساتھ  
 تدبیر و دستاں سے ہے بالکس فائدہ  
 ہے درو عاشقی کو نصیحت و داکے ساتھ  
 کیا جانوں میں چین کو و لیکن قفس پر سیر  
 آتا ہے برگ گل کھینچو کوئی صبا کے ساتھ



## دلیف: ی

دیکھ کے دست و پاے نگاریں چپکے سے، رہ جائیں نہ کیوں  
 منہ بولے ہے یا، وگویا ہندی اُس کی، چائی ہوئی  
 دُورِ دل سوزانِ محبتِ محو ہو تو عرش پہ ہو  
 دُورِ سمجھے گی یعنی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی  
 یہ بہ بلائیں سر پر ہیں تو آج ہوئے کل دوسرا دن  
 باری ہوئی بیماری ہوئی درویشی ہوئی تنہائی ہوئی  
 جب موسم تھا ودا ہونے کا تب تو شکستہ ٹک نہ ہوا  
 اب جو بہت افسردہ ہوا ہے دل ہے کلی مرجھائی ہوئی  
 کہنا جو کچھ جس سے ہو گا سامنے میرے کہا ہو گا  
 بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی منہ پر میرے آئی ہوئی

بکھو مارا بکھلا کیا تو نے      پر وفا کا بُرا کیا تو نے  
 حسرتیں اُس کی سرِ شمتی ہیں      مرگِ فرہاد کیا تو نے



آنکھوں کی طرف گوش کی درپردہ نظر ہے  
 کچھ پارے کے آنے کی مگر گرم خبر ہے  
 یہ راہ و روش سر و گستاں میں نہ ہوگی  
 اُس قامت و چپ کا انداز دگر ہے  
 شانے پہ رکھا ہار جو پھولوں کا تو چپ کی  
 کیا ساتھ نزاکت کے رگ گل سی کمر ہے  
 کر کام کسودل میں گئی عیش پہ تو کیا  
 اے آہِ سحر گاہ اگر تجھ میں اثر ہے

کیا ہی دامگیر تھی یارب خاکِ بسل گاہِ وفا  
 اُس ظالم کی تیغ تلے سے ایک گیا تو دوئے

جوں ابر بے کسانہ رونے اٹھے ہیں گھر سے  
 بہتے ہیں عشق اپنے دیوار اور در سے  
 جمہور راہ اُس کی دیکھا کرے ہے اکثر  
 محفوظ رکھ اسی اُس کو نظر گزر سے  
 مدت سے چشم بستہ بیٹھا رہا ہوں لیکن



وہ رُوئے خوب ہرگز جاتا نہیں نظر سے  
 شاید کہ وصل اُس کا ہوئے توجی بھی بھرے  
 ہوئی نہیں ہے اب تو تشکینِ دل خبر سے  
 گلشن سے لے قفس تک آواز ایک سی ہے  
 کیا طائرِ گلستاں ہیں نالہ کش اثر سے

میں چراغِ صبح کا ہی ہوں نسیم  
 بچھ سے اک دم کے لیے کیا دشمنی

ہسانِ برق و جھمکی دکھاوے      ولے دل شرط ہے جواب لاوے

میدانِ غم میں قتل ہوئی آہِ رُوئے دل  
 تھی اپنے خاتمانِ تمنا میں اک یہی  
 اپنا لکھا ہے پاؤں مجھے سیری بات بھول  
 قاصد نے جا کے پاؤں سے کچھا وہی کہی

نہ یک شیخ اتنا بھی دانا ہی تھا ہی



کہاں رحمتِ حق کہاں بے گناہی

اُٹھے گرو معشوقانہ اُس تربت سے عاشق کی  
 کھوٹک جس کے اوپر وہ سراپا ناز آتا ہے  
 عجب رنگِ مخاطب ہے دستِ آموزِ خواب کا  
 اڑے ہے تو بھی ہاتھوں ہی میں کر پروا آتا ہے  
 رہائی اپنی ہے دشوار کب صیاد چھوٹے ہے  
 اسیرِ دامِ ہبوطِ اثر جو خوش آواز آتا ہے  
 اگر مسجد سے آؤں میر تو بھی لوگ کہتے ہیں  
 کہ میخانے سے پھر دیکھو وہ شاہد باز آتا ہے

یوں پھر ماہوں دشتِ و در میں دُور اُس سے گشت  
 غم کا مارا آوارہ جوں راہ گیا ہو بھول کوئی  
 مستی، حسنِ پرستی، رندی ہی غل ہے مدت سے  
 پیرِ کبیر ہے تو کیا چھوٹے ہے معمول کوئی  
 حرفِ حکایتِ شکر و شکایت تھی اک وضعِ نو و میر  
 تیر کو جا کر ہم نے دیکھا ہے سرِ معمول کوئی



پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے  
 جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے  
 عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہو گا دُنیا میں  
 وحی کے زباں کو عشق میں اُس کے اپنا وار جانے ہے  
 چارہ گرمی بیماری دل کی رسمِ شہرِ حسن نہیں  
 ورنہ دلبرِ نادان بھی اس درد کا چارہ ا جانے ہے

ہم لوگوں کے لوہو میں ڈوبی رہی ہے اکثر  
 اُس تیغ کی جدول بھی کیا تیز بہا کی ہے

شکایت کروں ہوں تو سونے لگے ہے  
 مری سرگزشت اب ہوئی ہے کہانی  
 بسنتی قبا پر تری مر گیا ہے  
 کفن میں سر کو دیکھو نہ عفرانی

بے اس کے ترے حق میں کوئی کیا دعا کرے  
 عاشق کہیں شباب تو جو دئے خدا کرے



پتھر کی چھاتی چاہیے ہے میرے عشق میں  
جی جانتا ہے اُس کا جو کوئی وفا کرے

عالم عالم عشق و جنوں ہے دنیا و دنیا وحشت ہے  
میں دریا دریا روتا ہوں صحرا صحرا وحشت ہے  
صبح سے آنسو نو میدا نہ جیسے و داعی آتا تھا  
آج کسو خواہش کی شاید دل سے ہمارے رخصت ہے

عشق کیا سو جان چلی ہے، اُلفت تھی یا کلفت تھی  
کوٹے گئے ہیں سب انضام یہ محبت تھی یا محنت تھی  
آبِ حیات وہی نا جس پر خضر و سکندر مرتے رہے  
خاک سے ہم نے بھرا وہ چشمہ یہ بھی ہماری بہت تھی

عشق و محبت کیا جانوں میں لیکن اتنا جانوں ہوں  
اندر ہی اندر بسنے میں مرے دل کو کوئی کھانا ہے  
عاشق اپنا جان لبا ہے اُن نے شاید میرے ہم ہیں  
دیکھ بھری مجلس میں اپنی ہنسی سے شہر ماتا ہے



یمنِ نجر دے اپنے میں روزِ جہاں سے گزرتا ہوں  
وحشت ہے خورشیدِ منط اپنے بھی بھکوسائے سے

گردشِ دنوں کی کم نہ ہوئی کچھ کڑے ہوئے  
روئے رکھے غریبوں نے تو دن بڑے ہوئے  
نرمی سے کوئے یار میں جاوے تو جالبِ سیم  
ایسا نہ ہو کہ اکھڑیں کہیں دل کڑے ہوئے  
آنے ہو بعدِ صلح کبھو ناز سے جو یاں  
منہ پھیرا دھر سے بیٹھے ہو جیسے لڑے ہوئے  
بیمار اُمیدوار سے بستر پہ اپنے ہم  
دروازے ہی کی اُور تکے ہیں پڑے ہوئے

ڈھونڈ نکالا تھا جو اُسے سو آپ کو بھی ہم کو بیٹھے  
جیسا نہال لگا یا ہم نے ویسا ہی پھل پا یا ہے

دل کی لاگ بُری ہوتی ہے نہ نہ سکے ٹک جانے بھی  
آئے بیٹھے اُٹھ بھی گئے بے تاب ہوئے پھر آئے بھی



تاجر ترک فقیر ہوئے اب شاعر عالم کامل ہیں  
پیش گئی کچھ میسر نہ اپنی سوانگ بہت سے لائے بھی

کوئی نام اُس کا نہ لوجبر ہے کہ بے تاب دل کی بنا صبر ہے  
گلستاں کے ہیں دونوں ٹکھے بہار اس طرف اُس طرف ابر ہے  
درِ کعبہ پو کفر کہتا ہے میر مسلمان نہیں وہ کمن گبر ہے

ظلم سے ہیں داغ ہوئے ہیں رنج اٹھے ہیں درد پہ کھنچے  
اب وہ دل میں تاب نہیں جوں تک اہ سرد کھنچے

ہم پہ خشم و عتاب ہے سو ہے وہی طرہ خطاب ہے سو ہے  
گرچہ گھر کے لب پہ آئی وے جان کو اضطراب ہے سو ہے

کیا کیا مکان شہ نشین تھے وزیر کے  
وہ اٹھ گیا تو یہ بھی گرے بیٹھے ڈھ گئے

اُس کے رومے خوئے کے کردہ پہ نقاب لیے وہ صورت سے



جیسے یکایک سطح ہوا پر بدلی آئی تار سے گئے

سارے عالم کے حواسِ خمسہ میں ہے انتشار  
ایک ہم تم ہی نہیں معلوم ہوتے دوڑے  
میر طئی ہو گا بیابانِ محبت کس طرح  
راہ ہے پُر خار، میرے پاؤں میں ہیں آبلے

دامن پر فانوس کے ٹھایوں ہی شانِ خاکستر  
شوق کی میں جو نہایت پوچھی جان چلے پروانے سے

گئے روز سے اب دید وادید ہے گلے سے ہمارے طو'عید ہے  
گریزاں لہروں سائے سے خوشیدیاں جہاں جب ہے محلو'تجربہ ہے  
تصرف میں جب ڈال دیتے ہیں بات خدا ریش کہے ہیں یہ تو حید ہے

ہجر میں خوں ہوا تھا سب غم سے دل نے پہلو تہی کیا ہم سے  
عالمِ حسن ہے عجب عالم چاہیے عشق اس ہی عالم سے  
طرح چھریوں کی ٹپکوں سے ڈالی نکلی تلو'ارامہ کے خم سے



درپے خون تیر کے نہ رہو ہو بھی جاتا ہے جرم آدم سے

کل میں جو سیر میں تھا کیا پھول پھول بیٹھے  
بلبل لیے ہیں گویا گلزار سب جا رہے

کیا کہتے و لسی صورت گاہے نظر نہ آئی  
ایسے گئے کہ اُن کی پھر کچھ خبر نہ آئی  
روٹھے جو تھے سو ہم سے روٹھے ہوئے ہے وہ  
کیا روئے ہمیں تو منت بھی کرنے آئی

داد فریاد جا بجا کرے	شاید اُس کے بھول میں جا کرے
دیکھیں کب تک ہے یہ صورت	گالیاں کھائے دعا کرے
کچھ کہیں گے تو وہ کہے نہ کہو	کیونکر اظہار دعا کرے
اتفاق ان کا مارے ڈالے ہے	ناز و انداز کو جدا کرے
عید ہی کلاشکے رہے ہر روز	صبح اُس کے گلے لگا کرے
ہستی موہوم و یک سر و گردن	سیکڑوں کیونکے حق ادا کرے
وہ نہیں سرگزشت سنا میر	یوں کہانی سی کیا کہا کرے



گرچہ نظر ہے پشتِ پا پر لیکن قمر قیامت ہے  
 گر جاتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اُس کی شرابی ہوئی  
 جنگل جنگل شوق کے مارے ناتھ سوار بھرا کی ہے  
 بھنوں جو صحرائی ہوا تو لیلیٰ بھی سودائی ہوئی  
 چٹون کے انداز سے ظالم ترکِ مروت پیدا ہے  
 لہل نظر سے پھپھتی نہیں ہے آنکھ کسو کی چھپائی ہوئی

کیا کہتے اپنے عہد کے جتنے امیر تھے  
 ٹکڑے پہ جان دیتے تھے مارے فقیر تھے  
 دل میں گرہ ہوس رہی پروازِ باغ کی  
 موسمِ گلوں کا جب تئیں تھا ہم اسیر تھے  
 آتشِ بدلتا نہ ہوئی فخر میں بھی کم  
 جاگہ اُتو کے جاے پہ نفسِ حیر تھے

کارواں گاؤں جہاں میں نہیں رہا کوئی  
 جس کے ہاں دیکھتے ہیں چلنے کی طیاری ہے  
 واے وہ طاثر بے بال و ہوس ناک جسے



شوقِ گلگشتِ گلستاں میں گرفتاری ہے  
 آنکھِ مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اُس کی  
 یہ بھی اُس سا وہ و پُر کار کی ہشیاری ہے  
 واں سے جزا ناز و تہنہ نہیں کچھ یاں سے ہر  
 عجز ہے دوستی ہے عشق ہے غمخواری ہے

زار و ناچشمِ کاکب دیکھتے دیکھے ہیں لیکن خدا جو کچھ دکھائے  
 کب تک چاکِ فقس سے جھانکے برگِ گل یاں بھی صبا کوئی تولائے  
 جو لکھی قسمت میں ذلت ہو سو ہو خطِ پیشانی کوئی کیونکر مٹائے  
 میرا کثر عمر کے افسوس میں زیرِ لب بالائے لب ہے ہائے

کافر کا بھی رویہ ہوتا نہیں ہے ایسا  
 مٹھو کر لگا کے چلنا کس دین میں ہوا ہے  
 پائے ثبات کس کا ٹھہرا ہے اُس کو دیکھے  
 ہے نازاکِ قیامت، اندازِ اکِ بلا ہے  
 جو ہے سو میرا اُس کو میرا خدا کہے ہے  
 کیا خاص نسبت اُس سے ہر فرد کو جدا ہے



ہر آن شکیب میں کمی ہے      بے تابی زماں زماں بہت ہے  
اکثر پوچھے ہے جیتے ہیں تیرے      اب تو کچھ مہرباں بہت ہے

صاحب ہو تم ہمارے بندے ہیں ہم تمھارے  
موقوف رحم پر ہیں دشوار کام سارے  
آشوب بحر ہستی کیا جانے ہے کب سے  
موج و حباب اٹھکر لگ جاتے ہیں کنارے  
کوئی تو ماہ پارہ ہے اس رواق میں بھی  
چشمک کرے ہیں ہر شب جس کی طرف مستانے

نالہ جب گرم کار ہوتا ہے      دل کلجے کے پار ہوتا ہے  
مار رہتا ہے اس کو آخر کار      عشق کو جس سے پیار ہوتا ہے  
جبر ہے قرہ ہے قیامت ہے      دل جو بے اختیار ہوتا ہے  
کس کو پوچھے ہے کوئی دنیا میں      دیریاں اعتبار ہوتا ہے  
آہ کس جلے بار کھولا تیرے      یاں تو جینا بھی بار ہوتا ہے

حال ہی دوستوں کا کہنے      جبر کو دریا یہ سیر ساحل ہے



دیوانِ بخشیم ۶۷۳ مزامیر  
تیر کب تک یہ حالِ مرگ جیے کچھ بھی اس زندگی کا حال ہے

بے یار ہوں، بے کس ہوں، آگاہ نہیں کوئی  
بے غم کرو و خونریزی خوخواہ نہیں کوئی  
تیرا اتنی سماجیت جو بندوں سے تو کرتا ہے  
دُنیا میں مگر تیرا اللہ نہیں کوئی

دیدہ گریاں ہمارا نہر ہے دل خرابہ جیسے دلی شہر ہے  
یا دُلفِ یار جی ماں سے ہے مہر سانپ کے کاٹے کی سی یہ لہر ہے

موسمِ گل میں توبہ کی تھی واعظ کے میں کہنے سے  
اب جو رنگِ بہار کے دیکھے شرمندہ ہوں ندامت ہے

اے پریشاں ربط دیکھیں کب تک یہ دو ہے  
ہر گلی کوچے میں تیرا اک دعا گو اور ہے  
طبعِ درہم، وضعِ برہم، زخمِ غائر، چشمِ تر  
حالِ بد میں بے کسوں کے کچھ تھیں بھی خواہے



گردن کش زمانہ سوتیرا اسیر ہے  
سلطانِ عصر تیری گلی کا فقیر ہے  
جوں جوں بڑھا پاتا ہے جاتے ہیں اینٹھتے  
کس مٹی کا نہ جانے اپنا خمیر ہے

ان بلاؤں سے کب ہائی ہے عشق ہے، فقر ہے، بھدائی ہے  
اسخوڑاں کانپ کانپ جلتے ہیں عشق نے آگ یہ لگائی ہے  
اور کچھ شغل نہیں ہے ہمیں گاہ و بے گاہ غزل سرائی ہے

ہے حوصلہ میرا ہی جو تنگ نہیں آتا  
کس سے یہ ستم ورنہ اسے تیرا ہوا جاوے

مرے بندے ہم ہیں خدا جانتا ہے خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے  
نہیں عشق کا درد لذت سے خالی جسے ذوق ہے وہ مزا جانتا ہے  
جفا اُس پہ کرتا ہے حد سے زیادہ جسے یار اہل وفا جانتا ہے  
مرے دل میں رہتا ہے تو ہی جھپی تو جو کچھ دل کا ہے مزا جانتا ہے  
مرا شعر اچھا سمجھنا دشتِ ضد سے کسواور ہی کا کھا جانتا ہے



نہیں اٹھاؤ تن و جاں سے واقف  
ہمیں یاد سے جو جدا جانتا ہے

---







دیوان شمس







بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دیوانِ ششم

فلک نے پس کر مہر بنایا	نظر میں اس کی میں تو بھی نہ آیا
زمانے میں مرے شود جنوں نے	قیامت کا سا ہنگامہ اٹھایا
تمامی عمر جس کی جستجو کی	اُسے پاس اپنے اکدم بھی نہ پایا
نہ تھی بیگانگی معلوم اس کی	نہ سمجھے ہم اسی سے دل لگایا
حق صحبت نہ غیروں کو رہا یا	کوئی دو پھولا سیڑوں تک نہ لایا
عجب نقشہ ہے نقاش ازل نے	کوئی ایسا نہ ہیرہ بھر بنایا

اپنے ہوتے تو یا عتاب رہا	بے دماغی سے یا خطاب رہا
ہو کے بے پردہ ملت بھی ہوا	ناکسی سے ہمیں حجاب رہا
نہ اٹھا لطف کچھ جوانی کا	کم بہت موسم شباب رہا
کارواں ہائے صبح ہوتے گیا	میں ستم دیدہ مخو خواب رہا
گھر سے آئے گلی میں سو بار رہا	یارین ویر اضطراب رہا



بے طاقتی نے دل کی گرفتار کر دیا  
 اندوہ و دردِ عشق نے بیمار کر دیا  
 دروازے پر کھڑا ہوں کئی دن سے یار کے  
 حیرت نے عشق کی مجھے دیوار کر دیا  
 نسبت ہوئی گناہوں کی از بس مری طرف  
 بے جرم اُن نے مجھ کو گنہگار کر دیا  
 دنِ اُت و ہوندے ہے سے دل شوق نے مجھے  
 نایاب کس گھر کا طلب گار کر دیا

ہوئے ہم جس کی خاطر بے وفاتھا  
 معالج کی نہیں تقصیر ہرگز  
 نہ خود سر کونکے ہم ہوں یار اپنا  
 رکھا تھا منہ کبھو اُس کنج لب پر  
 ملے برسوں وہی بیگانگی تھی  
 نہ دیول نے تھے ہم سے قس فیروز باد  
 صنم خانے سے اُٹھ کعبے گئے ہم  
 بدن میں اُس کے ہے ہر جاے دلکش  
 نہ جانا اُن نے تو یوں بھی کہ کیا تھا  
 مرض ہی عاشقی کا لا دوا تھا  
 خود آرا خود پسند و خود ستا تھا  
 ہمارے ذوق میں اب تک مزا تھا  
 ہمارے زعم میں وہ آشنا تھا  
 ہمارا طورِ عشق اُن سے جدا تھا  
 کوئی آخر ہمارا ابھی خدا تھا  
 جہاں اُسکا کسوکا دل بجا تھا



چڑھی تیوری چمن میں تیر آیا گلِ حُسن آج شاید کچھ خاستھا

سو زوروں سے ہم پہ ستم بر ملا ہوا  
ٹکڑا جگر کا آنکھ سے نکلا، جلا ہوا

جمع اُس کے نکلے عالم ہو گیا جب تلک ہم جاوےں اور ہم ہو گیا  
کیا نماز اے میرا اس وقت کی جبکہ قدِ محراب سا خم ہو گیا

وہ دیکھنے ہمیں تک بیماریاں نہ آیا  
سو بار آنکھیں کھولیں بالیں سے سر اٹھایا  
گلشن کے طاغروں نے کیا بے مروتی کی  
اک برگِ گلِ قفس میں ہم تک نہ کوئی لا یا  
نقشِ عجب ہے اُس کا نقاش نے ازل کے  
مطبوع ایسا چہرہ کوئی نہ پھر بنا یا

ق

باتیں ہمارے پاؤں میں پھر باتیں ایسی نہ سنے گا



بڑھتے کسو کو مٹنے کا تو دیر تلک سر دھننے کا  
 سعی و تلاش بہت سی رہے گی اس انداز کے کہنے کی  
 صحبت میں علما فضلاء کی جا کر پڑھے گئے گا

تھا اندوہ گر و مدت سے دل میں خون ہو درد ہوا  
 چاہنے والے رنگ کئی اب شمع سرا سر زندہ ہوا

شاید کہ دل تڑپنے سے زخم دروں کھٹکا  
 خواب میری آنکھوں سے منہ پر رواں ہوا  
 سائے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر  
 صیاد کے کرم سے قفسِ آشتیاں ہوا  
 وے تو کھڑے کھڑے مرے گھر کے پھر گئے  
 میں بے دیا، و بے دل و بے خانماں ہوا  
 و و بھول لا کے پھینک دیے میری گود پر  
 یوں خاک میں ملا کے مجھے ہر باں ہوا

جس رفتنی کو عشق کا آزار ہو گیا



دو چار دن میں برسوں کا بہار ہو گیا  
 نسبت بہت گناہوں کی میری طرف ہوئی  
 نا کردہ جرم میں تو گنہگار ہو گیا  
 بازار میں جہان کے ہے حُسن کیا متاع  
 سو جی سے جس نے دیکھا خریدار ہو گیا

کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقی میں  
 پتھر کیا جگر کو تب چاہ کو نبھا ہا

بلبل کا شور سُن کے نہ مجھ سے رہا گیا  
 میں بے و ماغ باغ سے اُٹھ کر چلا گیا  
 دے مجھ کو تازہ ہی رہے آئے نہ اس طرف  
 میں منتظر توجی سے گیا، اُن کا کیا گیا

میں ہوں خاک اُفتادہ جس آزار کا  
 عشق بھی اُس کا ہے نام اک پیار کا  
 اک گداسے در ہے سیلاب بہار



غم کشوں کے دیدہ خوں بار کا  
عشق کا مارا ہے کیلے گامیت  
حال ہے بد حال اس ہمایہ کا

جو تو ہی صنم ہم سے یزاد ہو گا  
تو جہنا ہمیں اپنا دشوار ہو گا  
غم ہجر رکھے گا بے تاب دل کو  
ہمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہو گا  
اچھٹی ملاقات کب تک رہے گی  
کبھی تو تر دل سے بھی یاد ہو گا

دیر بد عہد وہ جو یاد آیا      دُور سے دیکھتے ہی پیار آیا  
بے قراری نے مار رکھا نہیں      اب تو تیرے تنیں قرار آیا  
موسم آیا تو نخل دار میں میر      سرِ منصوبہ ہی کا بار آیا

زمانہ ہجر کا آسان کیا میر آیا  
ہزار مرثیہ منہ کو مرے جگر آیا



نثار کیا کریں ہم خانماں خراب اسیر  
کہ مگر لٹا چکے جب یار اپنے گھر آیا

ہو کوئی اُس بے وفادار سے کیا آشنا  
آشناء ہر سوں جو اکدم میں ہونا آشنا  
قدر جانو کچھ ہمارے ورنہ بچتا وگے تم  
پھر نہیں ملنے کا تم کو کوئی ہم سا آشنا

گئے تھے سیرِ عین کو اٹھکر گلوں میں ٹک جی لگانا اپنا  
تلاش جوش بہار میں کی نگار گلشن میں تھانہ اپنا  
ملا تو تھا وہ بخوابش دل مرا بھی پائے ملے سے لیکن  
پھر جہتی میں اُس کی آنکھیں سو ہوش ہم کو رہا نہ اپنا  
جہاں کا دریائے بے کراں تو سرابِ پایاں کا رنگلا  
جو لوگ تہ سے کچھ آشنا تھے آنکھوں نے لب تر کیا نہ اپنا  
نہ ہوش ہم کو نہ صبرِ دل کو نہ شورِ سر میں نہ زورِ پا میں  
جو روویں کس کس کو روویں اب ہم وفا میں کیا گیا نہ اپنا  
جہاں میں رہنے کو جی بہت تھانہ کر سکے میر کچھ توقف



بنا تھی ناپا نڈا اس کی اسی سے رہنا بنا نہ اپنا

چمک یا قوت کی چلتی ہے اتنی دُور کا پہیکو  
 اچنچھا ہے نظر بازوں کو اُن ہونٹوں کی لالی کا  
 داغ اپنا تو اپنی فکر میں ہی ہو چکا یکسر  
 خیال اب کس کو ہے ہمنشین نازک خیالی کا  
 نہ پہنچے جو دعائے میر و ان تک تو عجب کیا ہے  
 علو ہے مرتبہ از بسکہ اُس درگاہِ عالی کا

دل جو ناگاہ بے قرار ہوا      اُس سے کیا جانوں کیا قرار ہوا  
 بسترِ خواب سے جو اُس کے اٹھا      گل تر سوکھ سوکھ خار ہوا  
 مجھ سے لینے لگے ہیں عبرت لوگ      عاشقی میں یہ اعتبار ہوا  
 روز و شب روتے کٹھتے گزرتے ہیں      اب یہی اپنا روزگار ہوا  
 روؤں کیا اپنی سادگی پر میر      میں نے جانا کہ مجھ سے پار ہوا

جس ستمیدہ کو اس عشق کا آزار ہوا  
 ایک دودن ہی میں وہ زار و زبولِ خواہ ہوا



روز بازار میں عالم کے عجب شئی ہے حُسن  
 بک گیا آپ ہی جو اس کا خیر بدار ہوا  
 ہو بخود تو کسو کو ڈھونڈھ نکالے کوئی  
 وہی خود گم ہوا جو اس کا طلبگار ہوا  
 کیونکے سب عمر صعوبت میں کمی تیری میر  
 اپنا جینا تو کوئی دن ہمیں دُشو اور ہوا

جو قافلے گئے تھے اُنھوں کی اُٹھی بھی گرو  
 کیا جانے غبار ہمارا کہاں رہا  
 ہے جان تو جہاں ہے مشہور ہے مثل  
 کیا ہے گئے یہ جان کے گو بھر جہاں رہا

ق

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا  
 پڑھیں گے شعروں و لوگ بیٹھے  
 بہت عالم کرے گا غم ہمارا  
 رہے گا دیر تک ماتم ہمارا  
 کسو کے بال درہم دیکھتے میر  
 ہوا ہے کام دل برہم ہمارا



## رویف باب

جھپکی ہیں آنکھیں اور جھکی آتی ہیں بہت  
نزدیک شاید آیا ہے ہنگامِ خواب اب

تجربہ کا فراغ ہے اک دولتِ عظیم  
بھاگا جو اپنے سائے سے ہے خوشتر آفتاب  
پیدا ہے روزِ شرقِ نو کی نمود سے  
نکلے ہے کوئے یار سے بچ بچ کر آفتاب  
روشن ہے یہ کہ خوف ہے اُس غصہ و رکاب  
نکلے ہے صبح کا نہتا جو تھر تھرا آفتاب

کہا کوئی یار ہی کسو سے کر کے ہووے شاد کام  
دوستی ہے دشمنی، الفت نہیں کلفت ہے اب

دیکھنا منہ یار کا اس وجہ سے ہو نہیں



یا اکی دے زمانے سے اٹھا رہم نقاب

---



## رویفات

جو کوئی اُس بے وفا سے دل لگانا ہے بہت  
وہ سنگڑا اُس سنگس کو ستانا ہے بہت

منہ پر رکھتا ہے وہ نقاب بہت      ہم سے کرتا ہے وہ حجاب بہت  
چشمک گل کا لطف بھی نہ اٹھا      کم رہا موسم شباب بہت  
دیر بھی کچھ لگی نہ مرنے ہمیں      عمر جاتی رہی شباب بہت  
دیر تک کعبے میں تھے شب بیدار      پنی گئے تیرے شراب بہت

کیا کہیں ہے حالِ دل درہم بہت  
کٹھنے ہیں دن رات اس پرہم بہت  
اضطراب اس کا نہیں ہو رہا ہے کم  
ہاتھ بھی رکھتے ہیں دل پرہم بہت

خشکی لب کی، تڑپ دماغ کی، نینا کی دو آنکھوں کی



جو دیکھے ہے کہے ہے اُن نے کھینچا ہے آزار بہت  
 جسم کی حالت جی کی طاقت نبض سے کر معلوم طبیب  
 کہنے لگا جانبر کیا ہوگا یہ تو ہے بیمار بہت

---



## دولف بے رنج

لطف جیسے ہیں اُس کی جاہ کے بیچ  
رنج و پسے ہی ہیں نباہ کے بیچ  
اُس کی چشم سیہ ہے وہ جس نے  
کتنے جی مارے اک نگاہ کے بیچ

خاکِ تربت کیوں نہ اپنی و لبرِ ٹاٹھ چلے  
ہم بھی تھے اُس ناز نہیں کے نازِ بردار کے بیچ



## رولیف :- ۱

دل گئے آفت آئی جانوں پر      یہ فسانا رہا زبانون پر  
 عشق میں ہوش و صبر سنتے تھے      رہ گئے ہاتھ سوتو کانون پر  
 کوئی بولانا قتل میں میرے      ہر کی غمی مگر دہانوں پر

برسات اچکے گزری خوف و خطر میں ساہی  
 چشمک زباں رہی ہے برق آشیاں کے اوپر  
 مجھ و عاتھا اکثر غیرت سے لیک گا ہے  
 آیا نہ نام اُس کا میری زباں کے اوپر

وہ بے وفانہ آیا بالیں پر وقتِ فتن  
 سو بار ہم نے دیکھا سر کو اٹھا اٹھا کر

وہ آنکھ اٹھا کے شرم سے کب دیکھے ہے ولے  
 ہونے میں خون بھی بھی اُس کی نگاہ پر



دُرِ چشمِ شورِ پُرسِخ سے گل پھول اک طرف  
آنکھ اُس دنی کی دُور سے ہے اک برگِ گاہِ بے

میلانِ دلِ رہا ہو کیونکر وفا کے اوپر  
دیتا ہے جان عالم اُس کی جفا کے اوپر  
کُشتہ ہوں اس حیا کا کٹوا لے بہتوں کے سر  
پھر آنکھیں اُس کی دو ہیں تھیں لُٹتیاں چکے اوپر  
بندوں سے کام تیرا سے تیرے کچھ نہ نکلا  
موقوفِ مطلب اپنا اب رکھ خدا کے اوپر

باندھے کمرِ سحر کہ آیا ہے میرے کیس پر  
جو حادثہ فلک سے نازل ہوا نہ میں پر  
اقرار میں کہاں ہے انکار کی سی خوبی  
ہوتا ہے شوقِ غالب اُس کی نہیں نہیں پر

گل کیا جسے کہیں کہ گلے کا تو ہمارے کہ  
ہم پھینک دیں اُسے ترے منہ پر تھارے کہ



آغوشیں جیسے موجیں اگلی کُشا دہیں  
 دریائے حُسن اُس کا کہیں ہم کُنار کر  
 مختار رونے ہنسنے میں تجکو اگر کریں  
 تو اختیار کر پڑے اختیاریہ کر  
 میں ہے قرار خاک میں کب تک ملا کروں  
 کچھ ملنے یا نہ ملنے کا تو بھی تیار کر  
 میں میرے قصد مجلسِ تصویر کا کیا  
 تو بیٹھا میرا حشر تک اب انتظار کر

---



## رہیف یک

ق

جب کہنے نہ تھے تب تم نے تو گوشِ پوش نہ کھولے ٹک  
چپکے چپکے کسو کو چاہا پوچھا بھی تو نہ بولے ٹک  
اب جو چھاتی جلی فی الواقع لطف نہیں ہے شکایت کا  
صبر کرو کیا ہوتا ہے یوں بھوڑے دل کے بھپو ٹک

ہمارے آتی پر ایک پتی بھی گل کی  
نہ آئی اسیران بے بال و پر تک

وہ تو نہیں کہ اودھم رہتا تھا آشیاں تک  
آشوبِ نالہ اب تو پہنچا ہے آسماں تک  
بہرِ زجلوہ اس کا سارا جہاں ہے یعنی  
ساری ہے وہ حقیقت جاوے نظر جہاں تک  
وہ ماندہ نقشِ پاسے یک دشت ہم ہیں مکیں



دُشوار ہے پہنچنا اب اپنا کارواں تک  
 دل دھڑکے ہے، جھنجھلی چمکے ہے سوئے گلشن  
 پہنچے مباد میرے خاشاکِ اشیاں تک  
 یہ تنہی و نزاکت اس رنگ سے کہاں ہے  
 گلبرگِ غنچہ پہنچیں کب اس لب و دہاں تک

---

صیاد اسیر کر کے جسے اٹھ گیا ہو میر  
 وہ دامن کی شکن میں گرفتار کب تلک

---



## رویف۔ ل

نہ ہمارے گلستاں میں نہ کر منہ کو سونے گل  
 چڑھ جائے مغز میں نہ کہیں کر دیوے گل  
 تڑپے خزاں میں اتنے کہ مر مر گئے طپور  
 جاوے گی ساتھ جی کے گر آواز دے گل

طریقِ عشق میں ہے رہنا دل  
 ہمیر دل ہے، قبلہ دل، خدا دل  
 رُکنا اتنا، خفا اتنا ہوا کھتا  
 کہ آخر خون ہو ہو کر بہا دل  
 جسے مارا اُسے پھر کر نہ دیکھا  
 ہمارا طرہ ظالم سے لگا دل  
 بن میں اُس کے ہے ہر جائے لکھش  
 بجایے جا ہوا ہے جا بجایا دل  
 ہمہ تن میں الم تھا سو نہ جانا



گمہ بہ درو پہلو میں ہے یا دل  
 خموشی مجکو حیرت سے ہے ورثہ  
 بکھرے ہیں لب سے لے کر شکوے ناول





## دلیف بم

کھا گئی یاں کی فکر سو موہوم      واں گئے کیا ہو کچھ نہیں معلوم  
 ہے عیث یہ تر دو و تشویش      پہنچے ہے وقت پر جو ہے مقبوم  
 صاحب اپنا ہے بندہ پروہ تیر      ہم جہاں سے نہ جاویں گے محوم

عشق کیا ہے اُس گل کا یا آفت لائے سر پر ہم  
 جھانکتے اُس کو ساتھ صبا کے صبح پھرے ہیں درد ہم  
 آہ، معیشت روز و شب کی ساتھ اندوہ کے ٹھہری ہے  
 رونے کڑھنے رہا کرتے ہیں غم سے ہوتے ہیں خوگر ہم

گھٹ گھٹ کے جہاں میں ہے جب سیر سے نہ  
 تب جا کے یہاں واقف اسرار ہوتے ہم

وے ہم ہیں جن کو کہتے آزار ویدہ مردم  
 اُلفت گزیدہ مردم، کلفت کشیدہ مردم



ہے اپنا جی بھی در ہم، تس پر ہے عشق کا غم  
 رہتے ہیں دم بخود ہم، آفت رسیدہ مردم  
 وہ دیکھے ہم کو آ کر جس نے نہ دیکھے ہو ویں  
 آڑوہ دل شکستہ، خاطر کبیدہ مردم  
 مت خاکِ عاشقاں پر بکھرا آبِ زندگی سا  
 جاگیں کہیں نہ سوتے یہ آرمیدہ مردم  
 لے لے کے منہ میں تنکا ملتے ہیں عاجزانہ  
 مغرور سے ہمارے بر خویش چیدہ مردم

---



## رویفان

میر سے ایسی ہے لگی اب کہ جلے جلتے ہیں  
متصل شمع سے رونے ہیں گلے جاتے ہیں  
اس گلستاں میں نمود اپنی ہے جوں آبیہاں  
و مبدم مرتبے سے اپنے چلے جلتے ہیں

مر گئے نامراد ہم ہجو ر خواہشیں جی کی اپنے جی میں ہیں

رابطہ باہم ہے کوئی دن کایاں  
تو کہے واں ناگہاں بجلی گری  
بھولے بھی میں اک نظر دیکھا میں  
کیا چھپی ہیں! میں میرے عشق کی  
پھر زمانے میں کہاں تم ہم کہاں  
وہ نگاہ تیز کرتا ہے جہاں  
تس پہ ہے وہ بے دماغ و بدگماں  
دستاں در دستاں سے دستاں

اُس سے گہرا کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں  
دل کی پھر دل میں لیے چپکا چلاتا ہوں



گرچہ کھویا سا گیا ہوں پر شہ حرف و سخن  
اُس فریبندہ عشاق کی پا جاتا ہوں  
یک بیاباں ہے مری بے کسی و تنہائی  
مثل آوازِ جرس سب سے جدا جاتا ہوں

مجلسِ یار میں تو بار نہیں پاتا ہوں  
درو پوارہ کو احوال سُنا جاتا ہوں

نہ سمجھو مجھے بے خبر اس قدر  
تیرے دل سے لوگوں کی آگاہ ہوں

ہمارا آئی مزاجوں کی سبھی تدبیر کرتے ہیں  
دوانوں کو انھیں ایام میں زنجیر کرتے ہیں  
درو پوارہ اُفتادہ کو بھی کاش اک نظر دیکھیں  
عمارت ساز مردم گھر جواب تعمیر کرتے ہیں

طلب ہے کامِ دل کی اُس کے بالوں کی سیری میں



گدائی رات کو کرتا ہوں نجلت سے فقیری میں  
 نظیر اُس کی نظر آئی نہ سیاحانِ عالم کو  
 سیاحت دُور تک کی ایک ہے وہ بے نظیری میں

~~~~~  
 اب دیکھیں آہ کیا ہو ہم و سے جدا ہوئے ہیں  
 بے یار و بے دیار و بے آشنا ہوئے ہیں  
 غیرت سے نام اُس کا آیا نہیں زباں پر  
 آگے خدا کے جب ہم مجروح ہوئے ہیں  
 اہلِ جہنم سے کیونکر اپنی ہو رُوسنای  
 برسوں اسیر رہ کر اب ہم رہا ہوئے ہیں

~~~~~  
 میں مُنہ نہیں لگا یا بنت العزب کو کا ہے  
 تب تھا جو انِ صالح، اب پیرِ مسکدہ ہوں

~~~~~  
 اسرارِ دل کے کہتے ہیں پیر و جوان میں  
 مطلق نہیں ہے بند ہمارے زبان میں  
 زکینتی زمانہ سے خاطر نہ جمع رکھ



سوزِ نگہ بدے جاتے ہیں یاں ایک آن میں  
 شاید بہارِ آتی ہے دیوانہ ہے جہاں  
 زنجیر کی سی آتی ہے جھنکارِ کان میں  
 تارے تو یہ نہیں مری آہوں سے رات کی  
 سویرا رخ پڑ گئے ہیں تمام آسمان میں

آئے ہیں تیرے کافر ہو کر خدا کے گھر میں  
 پیشانی پر ہے قشقہ زُتار ہے کمر میں  
 سیرت سے گفتگو ہے کیا معتبر ہے صوٹا  
 ہے ایک سوکھی لکڑی جو بونہ ہوا اگر میں  
 اب صبح و شام شاید گرے بہ رنگِ آوے  
 رہتا ہے کچھ جھمکتا خونابِ چشمِ تر میں  
 عالم میں آب و گل کے کیونکر نباہ ہوگا  
 اسباب گر پڑا ہے سارا مرا سفر میں

آنکھ لگی ہے جب سے اُس سے آنکھ لگی نہ ہا نہیں  
 نیند آتی ہے و کجی میں سو تو دل کو قرار نہیں



خالی پڑے ہیں دام و کیس، یا صیدِ دشتی صید ہوئے  
یا جس صید افکن کے لئے تھے اُس کو ذوقِ شکار نہیں

طرفِ خوش رو دمِ خونریز ادا کرتے ہیں  
وارِ جب کرنے ہیں سُندھ پھیر لیا کرتے ہیں  
عشق کرنا نہیں آسان بہت مشکل ہے  
چھانی پتھر کی ہے اُن کی جو وفا کرتے ہیں  
واں سے یک حرف و حکایت بھی نہ لایا کوئی  
یاں سے طومار کے طومار چلا کرتے ہیں

نا آشنا کے اپنے جیسے ہم آشنا ہیں  
اس طور اس طرح کے ایسے کم آشنا ہیں  
باہم جو یار یاں ہیں اور آشنا ئیاں ہیں  
سب ہیں نظر میں اپنی ہم عالم آشنا ہیں  
یارِ می جہانوں کی کیا مہرِ معتبر ہے  
نا آشنا ہیں اکدم بہ اکدم آشنا ہیں



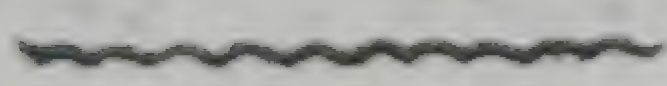
کیا جنوں ہے تم کو جو تم طالبِ ویرانہ ہو  
جس کو فردوسِ بریں کہتے ہیں وہاں آدم کہاں

گر روزگار ہے یہی حیرانِ بار میں  
تو کیا رہیں گے جیتے ہم اس روزگار میں  
کچھ ڈرتے ہیں جو داغِ جنوں ہو گئے سیاہ  
ڈر دل کے الشباب کا ہے اس بہار میں  
کیا بے قرارِ دل کی تسلی کرے کوئی  
کچھ بھی ثبات ہے ترے عہد و قرار میں  
مربوط کیسے کیسے کہے رہتے، دے  
سمجھانے کوئی میری زباں اس دیار میں  
دُنیا لہ کر دی قیس نے بہتری کی دے  
تو بیا نظر نہ مچلے لے غبار میں  
مٹھ چاہیے جو کوئی کسو سے حساب لے  
ہمس سے گفتگو نہیں روزِ شمار میں  
گنتی کے لوگوں کی وہاں صف ہوے گی کھڑی  
تو میرے کس شمار میں ہے کس قضا میں



گو کہ بُتِ خائفے جا رہا ہوں میں      بخدا باخدا رہا ہوں میں  
 سب گئے دلِ دماغِ تابِ توں      میں رہا ہوں سو کیا رہا ہوں میں  
 اُس کی بے گانہ وضعی ہے معلوم      برسوں تک آشنایا رہا ہوں میں  
 دیکھو کب منع اُس کی آنیٹھے      دیر سے سر جھکا رہا ہوں میں

کچھ نہ رہا ہی نہیں ہے مجھ میں میر  
 جس سے اُس سے جدا رہا ہوں میں





## دلیف د

کھلی رہتی ہے چشم آئینہ سال      کہاں خواب مشتاق ویدار کو  
 مجھے عشق اُس پاس یوں لے گیا      کوئی جیسے لاوے گنگار کو  
 مرے منہ پہ رکھا ہے نگاہ تلک      ہزار آفریں چشم غنبار کو

کن نے کہا کہ مجھ سے بہت کم ملا کرو  
 منت بھی میں کروں تو نہ ہرگز منا کرو  
 ہم بے خودان مجلس تصویر اب گئے  
 تم بیٹھے انتظار ہمارا کیا کرو  
 جی مارے ہیں ناز و کرشمہ بالافتاق  
 جینا چومیسرا چاہو تو ان کو جدا کرو  
 دل جانے کا فسانہ زبانوں پہ رہ گیا  
 اب بیٹھے دور سے یہ کہانی سننا کرو  
 میں نے کہا کہ ٹھنک رہی ہے تن بدن میں آگ  
 بولا کہ عشق ہی میں پڑے اب جلا کرو



اب دیکھوں اُس کو میں تو مرا جی نہ چل پڑے  
تم ہو فقیر میرے کبھو یہ دُعا کرو

کبوتکے نیچے ہاتھ کے رکھا دل بے تاب کو  
وہ جو تڑپا لے گیا آسو و گی و خواب کو  
کم نہیں ہے سحر سے یہ بھی نصرتِ عشق کا  
بانی کر آنکھوں میں لایا دل کے خونِ ناب کو  
جاہتا ہے جب مسکتا اپنی ہوتا ہے سبب  
دغل اس عالم میں کیا ہے عالمِ حساب کو  
وہم بخود رہتا ہوں اکثر سر رکھے زانو پہ میر  
حال کہہ کر کیا کروں آئندہ وہ اور احباب کو

زنجی کرنے ہیں مرنے کے لیے اہلِ جہاں  
تیرے واقعہ درپیش عجب یاسوں کو

چھوڑا جنوں کے دُور میں رسمِ وہ اسلام کو  
نہ کر صنمِ خلقِ چلا ہوں جائزہ احرام کو



مرتا مروت جیتا جیو، آؤ کوئی جساؤ کوئی  
 ہے کام ہم لوگوں سے کیا اُس دلیر خود کام کو  
 بے چین بستر پر رہا، بے خواب خاکستر پہوں  
 صبر و سکوں جب سے گئے پاتا نہیں آرام کو  
 آسائش و راحت سے جو پوچھے کوئی تو کیا کہوں  
 میں عمر بھر کھینچا کیا رنج و غم و آلام کو  
 تیرا بھلا کیا ابتدائے عشق کو رہتا ہے تو  
 کر فکر جو پاوے بھی اس آغاز کے انجام کو

زندگی کرتے ہیں مرنے کے لیے اہل جہاں  
 واقعہ تیرا ہے درپیش عجب یاروں کو

|                              |                                |
|------------------------------|--------------------------------|
| ہاتھ بے سجدہ ٹک رہا نہ کہھو  | دل کا مشکا دے بھرا نہ کہھو     |
| روز و فتر لکھے گئے پاں سے    | اُن نے اک حرف بھی لکھا نہ کہھو |
| گو شکستہ چمن چمن تھے گل      | غنی چٹہ دل تو وا ہوا نہ کہھو   |
| غیرت اپنی تھی یہ کہ بعد نماز | اُس کا لے نام کی دعا نہ کہھو   |
| ابتدا ہی میں مر گئے سب یار   | عشق کی پائی انتہا نہ کہھو      |



ملک نقابِ التُّمّت عتاب کرو      کھو لو مُنہ کو تو پھر خطاب کرو  
 آنکھیں غصّے میں ہو گئی ہیں لال      سر کو چھاتی یہ رکھ کے خواب کرو  
 فرصتِ بود و باش یاں کم ہے      کام جو کچھ کرو وشتاب کرو  
 جھوٹ اُس کا نشانِ دو یارو      ہم خرابوں کو مت خراب کرو  
 مُنہ کھلے اُس کے چاندنی چٹکی      دوستو سیر ماہتاب کرو  
 تیر جی رازِ عشق ہو گا فاش      چشم ہر لحظہ مت پُر آب کرو

بس اب بن چکی رو دو موئے سمن بو  
 گرمی ہو کے بے ہوش مشاطہ یکسو  
 نہ سمجھا گیا کھیلِ قدرت کا ہم سے  
 کیا اُس کو بد خو، بنا کر نکو رو  
 بہار آئی گلُ پھول سر جوڑے نکلے  
 رہیں باغ میں کاش اس رنگ ہم تو  
 رہے آبر و میر تو ہے غنیمت  
 کہ غارت میں دل کی ہے ایمانے ابرو

جدھر پھرتے تھے چلتے پھول ہنستے



اُدھر پٹکے ہیں اب تک میرے آنسو

چاہت میں خوب رویوں کی کیا جانے کیا نہ ہو  
 بے تاب دل کا مرگ کہیں مدعا نہ ہو  
 کرتے دُعا مجھے وہ دغا باز دیکھ کر  
 بولا کہ اس فقیر کے دل میں دغا نہ ہو  
 آزاد پر شکستہ کو صد رنگ قید ہے  
 یارب اسیر ایسا قفس سے رہا نہ ہو  
 رہتے ہیں میرے خود و وارفتہ ان دنوں  
 بوجھ پر کٹا یہ کسو سے دل لگانا نہ ہو



## لہ ولیف :- ۵

ہر چند جذبِ عشق سے تشریف یاب بھی لائے وہ  
 پر خود گم ایسا میں نہیں جو سہل مجھ کو پائے وہ  
 خوبی و رعنائی اُدھر بد حالی و خواری اُدھر  
 اے وائے ہم اے وائے ہم اے پائے وہ اے پائے  
 عاشق کا کتنا حوصلہ یہ معجزہ ہے عشق کا  
 جو خستہ جاں پارہ جگر سودا غلِ دل پر کھائے وہ  
 مشکل عجائب تیرے دیدار جوئی پارہ کی  
 دیکھے کنکھیوں غصہ ہو آنکھیں لڑے نثرائے وہ

اے کاش فصلِ گل میں گئی ہوئی اپنی جان  
 مل جاتی کوئی دن یہ ہوا اُس ہوا کے ساتھ  
 کیفیت آشنا نہیں اُس مستِ ناز کے  
 معشوق ورنہ کون ہے اب اس ادا کے ساتھ  
 سُنھ اپنا اُن نے فلک سے اپنے چھپا لیا



دیکھانہ کوئی آئینہ رُو اس حیا کے ساتھ

لُکنت سے کیا نکلتی نہیں اُس کے مُنہ سے بات  
چپکا ہے حرفِ یار کے شیریں دہن کے ساتھ

نظر آیا تھا صبحِ دُور سے وہ      پر چھپا خور سا اپنے نور سے وہ  
خوش ہیں دیوانگی میرے سبب      کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

آندازِ کش کو اُس کے آنداز ہے ہمیشہ  
آزردہ دل کسو کا بہیار ہے ہمیشہ  
پروائے نفع و نقصان مطلق نہیں ہے اُس کو  
اُس کی تو لا اُبا لی سرکار ہے ہمیشہ  
ملنا نہ ملنا ٹھہرے تو دل بھی اپنا ٹھہرے  
اقرار ہے ہمیشہ انکار ہے ہمیشہ  
عالم کا عین اُسی کو معلوم کیجئے ہیں  
اس وجہ سے اب اُس کا دیدار ہے ہمیشہ



دل ہے میری بغل میں صد پارہ  
 غرقِ شرم روئے دلبر سے  
 خواہی عشق اپنی رعزت ہے  
 ٹوٹیں پھوٹیں نہ کاش آنکھیں  
 گو مسیحا مزاج آوے طبیب  
 کیا بنے اُس سے تیر میں مسکین  
 اور ہر پارہ اُس کا آوارہ  
 رفتہ ثابت، گزشتہ سیارہ  
 کی ہے ہموار راہ ہموارہ  
 انکھیں رخنوں سے کرتے نظارہ  
 عشق میں مرگ بن نہیں چارہ  
 وہ جفا پیشہ و ستم کارہ

مکتوب دیر بھیجا ہر دو طرف سے سادہ  
 کیا شوخ طبع ہے وہ پُرکار سادہ سادہ  
 مت دم کشتی کرا تنی ہنگام صبح بلبیل  
 فریاد و خنجکاں ہے منہ سے ترے زیادہ  
 حالاتِ عشق و رنج و درد و بلا مصیبت  
 دل دادہ تیر جانے کیا جانے دل ندادہ



## رویفابی

کہتے ہیں مرنے والے یاں سے گئے  
 سب یہیں رہ گئے، کہاں سے گئے  
 دُغم میں دم جب تلک تھا سوچ رہا  
 سانس کے ساتھ سارے سانسے گئے

سُدھ خیر اپنے غمزدے کی لے صُبح تک رات کو کراہا ہے

عشق میں ہم نے جاں کنی کی ہے کیا محبت نے دشمنی کی ہے  
 کیسی سُرخ و سفید نکلی تھی مٹی مگر دُختِ آدمی کی ہے  
 قافلہ لٹ گیا جو اشکوں کا عشق نے تیر رہزنی کی ہے

صید کے تن پر ہیں سب گلہائے زخم  
 کس قدر خوش کار اُس کا تیر ہے  
 خطا نہ لکھتے تھے سوتا بَدل گئی



## دفتروں کی اکثر اب تخریب ہے

بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ      اب توقع نہیں رہا فی کی  
 اک نگہ میں ہزار جی مارے      ساحری کی کہ دل رُبا فی کی  
 نسبت اُس آسماں سے کچھ نہ ہوئی      برسوں تک ہم نے جہہ سانی کی  
 وصل کے دن کو کارِ جاں دھنچا      شب نہ آخر ہوئی جُدائی کی

زمیں اُور ہے آسماں اُور ہے      کہ آنا فانا سماں اُور ہے  
 نہ ان لوگوں کی بات سمجھی گئی      یہ خلق اُور اُس کی زباں اُور ہے  
 ہوا رنگ بدلے ہے ہر آن میر      زمیں و زماں ہر زماں اُور ہے

کہو تو کب تمہیں یوں ساتھ تیرے پیار رہے  
 کہ دیکھا جب تجھے تبت جی کو مار مار رہے  
 ہم آپ سے جو گئے ہیں گئے ہیں بدلتے سے  
 الہی اپنا ہمیں کب تک انتظار رہے  
 ہو س اس اسیروں کے بھی دل کی نکلے ٹکشا بد  
 کوئی دن اُور اگر موسم بہار رہے



اٹھا جو باغ سے میں بے دماغ تو نہ بکھرا  
ہزار مرغ گلستاں مجھے پکار رہے  
نہ کرے گریہ بے اختیار ہرگز تیر  
جو عشق کرنے میں دل پر کچھ اختیار رہے

جس آنکھ سے دیا تھا اُن نے زیب دل کو  
اُس آنکھ کو جو دیکھو اب آشنا نہیں ہے

جو لوگ چلتے پھرتے یاں چھوڑ کر گئے تھے  
دیکھا نہ اُن کو اب کے آنے جو ہم سفر سے  
سردے دے دے مارے ہیں ہجراں میں تیر صبا  
یار ب چھڑا تو ان کو چاہت کے دروس سے

جب سے ہاں ہے تب سے خرابی ہی ہے تیر  
تم دیکھ کر زمانے کو حیران کیا رہے

وہ اب ہوا ہے اتنا کہ جو درد جفا کرے



افسوس ہے جو عمر نہ میری وفا کرے  
 ہجرانِ یار ایک مصیبت ہے ہمنشین  
 مرنے کے حال سے کوئی کب تک جیا کرے  
 مستی شراب کی ہی سی ہے آبدِ شباب  
 ایسا نہ ہو کہ تم کو جو انی نشا کرے  
 یارِ نسیم لطف سے ترے کہیں کھلے  
 دل اس چمن میں غنچہ سا کب تک رہا کرے  
 برسوں کیا کرے مری تربت کو گلِ فشاں  
 مرغِ چمن اگر حق صحبت ادا کرے

مُدت سے تو دلوں کی ملاقات بھی گئی  
 ظاہر کا پاس تھا سودا رات بھی گئی  
 پھرتے ہیں مہرِ خوار کوئی پوچھتا نہیں  
 اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

ق

گل نے بہت کہا کہ چمن سے نہ چلیے



گلگشت کو جو آئے ہیں آنکھوں پہ آئے  
 میں بے دماغ کر کے تغافل چلا گیا  
 وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اٹھائے  
 صحبت عجب طرح کی پڑی اتفاق ہائے  
 کھو بیٹھے جو آپ کو تو اس کو پائے  
 خاطر ہی کے علاقے کی سب ہیں خرابیاں  
 اپنا ہو بس تو دل نہ کسو سے لگائے  
 اتنی بھی کیا ہے دیدہ درائی کہ غیر سے  
 آنکھیں لڑائیے ہمیں آنکھیں دکھائیے  
 جان غیور پر ہے ستم ساستم کہ میر  
 بگڑا جنھوں سے چاہیے اُن سے بنائے

دل میں مسودے تھے بہت پر حضورِ یار  
 نکلا نہ ایک حرف بھی میری زبان سے

کہو سو کرے علاج اپنا تپیدلِ دل بلائے جاں ہے  
 نہ شب کو مہلت نہ دن کو فرصت دما دم آنکھوں سے ٹپوں واں ہے



کڑھا کرے ہیں ہوا ہے موردِ جہانِ اجسامِ جب سے اپنا  
 غمِ جدائی جہانِ جاں کا ہمارے دل میں جہاں جہاں ہے

سرِ راہ چند انتظارِ ی ہے بھلا کب تلک بے فرامی ہے

کیا منہ لگے گلوں کے شگفتہ دماغ ہے  
 پھٹو لا بھرے ہے مرغِ چین باغِ باغ ہے  
 وہ دل نہیں رہا ہے نہ اب وہ دماغ ہے  
 جی تن میں اپنے جھپٹا سا کوئی چراغ ہے  
 صولتِ فقیری کی نہ گئی مرگئے یہ بھی  
 اب چشمِ شیرِ گور کا میری چراغ ہے  
 مدت ہوئی کہ زانو سے اٹھتا نہیں ہے سر  
 کڑھنے سے رات دن کے ہمیں کب فدا ہے

طبیعت نے عجب کل یہ ادا کی کہ ساری رات وحشت ہی رہا کی  
 ہوا طالعِ جہاں خود شیدائے دن ہے ترو کیا ہے ہستی میں خدا کی



ہم رو رو کے درِ دلی دیوانہ کہیں گے  
 جی میں ہے کچھو حالِ غریبانہ کہیں گے  
 سودائی و رسوا و شکستہ دل و خستہ  
 اب لوگ ہمیں عشق میں کیا کیا کہیں گے  
 موقوفِ غم یہ کہ شب ہو چکی ہدم  
 کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہیں گے

جامِ گلوں کے خزاں میں نگوں ہیں نکمتِ خوش بھی چین سے گئی  
 مئی شاید کہ تمام ہوئی ہے ہر غنچے کی گلابی کی  
 عشقِ تیرے کسو سے اتنا اب تک ظاہر ہم پہ نہ تھا  
 حرفِ بار جو منہ سے نکلا اُن نے بلا بیتابی کی

اب یہ حسرت رہے گی مرنے تک  
 ہے شرارت کا وقتِ عمرِ شباب  
 مٹھ کر اُس کے خراب ہی دیکھا  
 یاں کی خلقت کی ہے زباں الہی  
 موسمِ گل میں ہم اسیر ہوئے  
 تم لڑکپن ہی میں مشر ہوئے  
 جس کے یہ دیدہ و دلِ مشیر ہوئے  
 کہتے ہیں اندھوں کو بصیر ہوئے  
 شعر کے فن میں بے نظیر ہوئے  
 ہم نظیری سے یوں تو



اُوں کو کھوٹو پاس ہمارے بھی ماز سے  
کرنا سلوک خوب ہے اہل نیاز سے  
شاہدِ شہر آب خانے میں شب کو ہے تجھے تیر  
کھیلے تھا ایک منہجہ مہر نماز سے

تم کرو شاد زندگی کہ مجھے دل کے خوں ہونے کا بہت غم ہے  
جب سے عالم میں جلوہ گر ہے تو تھکے ہیں تمام عالم ہے  
کچھ تو نسبت ہے اُس کے بالوں سے یوں ہی کیا حالِ میر و ہم ہے

جو لوگ آسماں نے پاں خاک کر اُڑائے  
بے عبرتوں نے لے کر خاک اُن کی گھر بنائے  
پامال لوگ کیا کیا آگے ہوئے ہیں تم سے  
اس پر بھی تم جو آئے پاں تم نے سر اٹھائے  
کیا گھورنے ہو ہمدِ مِ در نے نہیں ہیں کچھ ہم  
چُن آنکھوں کے ہیں عاشق اُن آنکھوں کے دکھائے

اے خوشحال اُس کا جس کاوے حالِ عمدہ اتباہ کرنے تھے



نیچا آنکھیں ہم اُس کو دیکھائیے کبھو اونچی نگاہ کرتے تھے  
کیا زمانہ تھا وہ جو گزرا ہمیر ہم و گر لوگ چاہ کرتے تھے

ابکی زلفوں سے دل بچا تو کیا چور جاتے رہے کہ اندھیاری  
چلے جاتے ہیں رات دن آنسو دیدہ تر کی خبر ہے جاری  
واں سے شتم مخطبات ناز و عتاب یاں سے اخلاص دوستی یاری

بات و اعطاک کی ٹوٹ ہو دلوں میں کیونکر  
دن کو طامات رہے شب کو مناجات ہے

رہتا نہیں ہے رکھے، تھمتا نہیں ہے تھامے  
وہ دل تڑپ تڑپ کر اب ظلم کر رہا ہے

کیا طرح ہے یاں جو آئے ہو تو شرانے ہوئے  
بات بگنی کہتے ہو نصیحت سے جھنجھلائے ہوئے  
دشمنی سے سایہ عاشق کو جو مارے ہے تیر  
اُس کماں ابرو کے جا کر تیر ہمسائے ہوئے



جو رخ پر اپنا مدار دیکھیے کب تک رہے  
 ایسی طرح و زکار دیکھیے کب تک رہے  
 سرے کہاں تک ہیں آنسوؤں کے چہرے  
 گریب گلے ہی کا ہار دیکھیے کب تک رہے  
 اُس سے تو غم و قرار کچھ بھی نہیں درمیاں  
 دل سے مرا بے قرار دیکھیے کب تک رہے  
 روئے سخن سب کا ہے میری غزل کی طرف  
 شعر ہے میرا شعار دیکھیے کب تک رہے

بہت نامہاں رہتا ہے، یعنی ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے  
 ہمیں جس جانے کل غش آگیا تھا وہیں شاید کہ اُس کا آسناں ہے

ہم رہن بادہ جامہ احرام کر چکے  
 مستی کی دیر میں قسم اقسام کر چکے

عشق کیا کوئی اختیار کرے وہی جی مارے جس کو پیار کرے  
 کہہ دیجئے سچے ہیں نہ کوئی کب تک تجھوٹے وعدوں کا اعتبار کرے



سب کام سونپا اس کو جو کچھ کام بھی چلے  
 جپ نام اس کا صبح کو تانا نام بھی چلے  
 یہ راہ دورِ عشق نہیں ہوتی میرے  
 ہم صبح بھی چلے گئے ہیں، شام بھی چلے

پڑتا ہے پھول برق سے گزار کی طرف  
 دھڑکے ہے جی قفس میں غمِ آفتابان سے  
 یکدست جوں صدائے جرس کیسی کے ساتھ  
 میں ہر طرف گیا ہوں جدا کاروان سے  
 دیں گالیاں اُنھوں نے وہی بے دماغ ہیں  
 میں تیر کچھ کہا نہیں اپنی زبان سے

گلبرگ سی زباں سے بلبل نے کیا فغاں کی  
 سب جیسے اڑ گئی ہے رنگینی گلستاں کی  
 صوم و صلوٰۃ یکسو مینا نے میں جو ہم تھے  
 آواز بھی نہ آئی کانوں میں یاں اذال کی







# ”انتخاب اشعار غزلیات مشہورہ“

پہنچی قریب شاید پتھر گاہ اُس کی  
 جوں صیدِ خوں گرفتہ دل بے قرار ہے تو  
 یاں دو قدم بھی چلنا بے سر دیے نہ ہوئے  
 اے راہِ عشق کتنی مشکل گزارا ہے تو  
 لیتا ہے تجھ سے عبرت جو کوئی دیکھتا ہے  
 کیا میرا اُس گلی میں بے اختیار ہے تو

یہ اندازِ باندھے ہیں ہی ناز قیامت میر صاحب ہیں ادا بند

سبزہ ہے آج جو ہے فصلِ بہار بھی ہے  
 سر گرمِ جلوہ دیکھو پہلو میں پار بھی ہے  
 یہ تو نہیں کہ ہم پر ہر دم ہے بے دماغی  
 آنکھیں دکھاتے ہیں توجہوں میں پار بھی ہے  
 گل ہمارا ہو گا شکر کر کہو جہاں



پر کم بغل ہے بلبل اس کو قرار بھی ہے؟  
 ہوں وعدہ گاہ میں تو پر میں ہی جانتا ہوں  
 کچھ اضطراب بھی ہے کچھ انتظار بھی ہے  
 جوں موج ہم بغل ہوں نا باب اس گھر سے  
 دریا کی سیر بھی ہے بوس و کنار بھی ہے

مرو وفا و الفت کرتے تھے لوگ باہم  
 رحمتِ خدا کی، تم نے اس رسم کو اٹھا یا

لطفِ سخن بھی پیری میں رہتا نہیں ہے ہر  
 اب شعر ہم بڑھے ہیں تو وہ شد و مد نہیں

محوِ سخن ہم فکرِ سخن میں رفتہ ہی بیٹھے رہتے ہیں  
 آپ کو جب کھویا ہے ہم نے تب یہ گوہر پائے ہیں

آشفۂ سر ہیں سرودِ گریباں دیدہ گل  
 بیٹھا کہاں چین میں کہ فتنہ اٹھا گیا



نہ دماغ ہے کہ کسو سے ہم کریں گفتگو غم یار میں  
 نہ فراغ ہے کہ فقیروں سے ملیں خاکے دلی یار میں  
 نہ چین میں جاتے رہا ہے دل نہ جنوں میں پھرتے لگا ہے دل  
 وہی بے کلی رہی جان کو رہے سیر میں کہ شکار میں  
 کہے کون صیدِ رمیدہ سے کہ ادھر بھی پھر کے نظر کرے  
 کہ نقاب اُٹے سوار ہے ترے پیچھے کوئی غبار میں  
 جھکی کچھ کہ جی میں جھکی سمیٹلی ٹک کہ دل میں کھبی سمیٹھی  
 یہ جو لاگ پلوں میں اُس کی ہے نہ چھری میں ستا نہ کٹا رہی

عشق میں اسے ہمہاں کچھ تو کیا چاہیے  
 گریہ و شور و فغاں کچھ تو کیا چاہیے  
 ہاتھ رکھے ہاتھ پر بیٹھے ہو کیا بے خبر  
 چلنے کو ہے کارواں کچھ تو کیا چاہیے  
 کیا کروں دل خوں کروں شعری ہوزوں کوں  
 چلتی ہے اب تک زباں کچھ تو کیا چاہیے  
 ہونہ سکے کہ نماز دل کی طرف کر نیاز  
 وقت گیا پھر کہاں کچھ تو کیا چاہیے



میر نہیں پیر تم کا بیلی اللہ سے  
نام خدا ہو جو اس کچھ تو کیا چاہیے

کوئی فصل گل میں بھی توبہ کرے ہے  
رہے گی ہمیں دیر اس کی ندامت

فسرین سیالہ می ناب جس سے کہ ترا حجاب نکلا

کر و تامل کہ حال ہم میں ہا نہیں ہے غموں کے مارے  
جو کچھ بھروسہ اُنھوں پہ تھا سو شکیب و تاب تو اس سے ہارے

کہنے تھے یہ ہم نہ کرتنا اے جان اُمید وار و بکا  
آنکھوں سے اُٹھایا آبدی کی صحرا میں جدھر کو خار دیکھا

کس طور تو نے باغ میں آنکھوں کے تئیں ملا  
زنگس کا جس سے رنگ شکستہ بھی اُچھلا



## انتخاب فردیات

مئی گلگوں کی بو سے بسکہ میخانہ مہکتا تھا  
لب ساغر پہ منہ رکھ رکھکے ہر شیشہ بہکتا تھا

جب کہ تابوت مرا جائے شہادت سے اٹھا  
شعلہ آہ دل گرم محبت سے اٹھا

یک پارہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا  
وحشت میں جو سیا سو کہیں کا کہیں سیا

اٹھوں نہ خاک سے کُشتہ میں کم نگاہی کا  
دماغ کس کو ہے محشر کی داد خواہی کا

دل گیا رسوا ہوئے آخر کو سودا ہو گیا  
اس دور روزہ زیست میں ہم پر بھی کیا کیا ہو گیا



کس طور تو نے باغ میں آنکھوں کے تئیں بٹھا  
نرگس کا جس سے رنگ شکستہ بھی اڑ پڑا

وعدے ہر روز رہے اور تم آتے ہی رہے  
ہم کو دیکھو کہ لگے چلنے تو جاتے ہی رہے

میتا جس کئے اسباب ملکی اور مالی سچے  
وہ اسکندر گپا یاں سے تو دونوں تھ خالی تھے

کھا کے دانہ یہ دامن کھچوا یا ہووے آدم کو بھی ہر شے نصیب

تری زلفِ سیاہ کی یاد میں آنسو جھمکنے ہیں  
اندھیری رات ہے ہر سات ہے جگنو جگنیتے ہیں

جیسے نسیم ہر سحر تیری کروں ہوں جستجو  
خانہ بخانہ، در بدر، شہر بہر، کو بکو



نہ رہ دُنیا میں وِجہی سے جو انسان دُنیا ہے  
سفر کا بھی رہے خطرہ کہ اس منزل سے جانا ہے

مُدت ہوئی کہ تاب و تواں جی چھپا گئے  
بیابا کر کے خاک میں ہم کو ملا گئے  
وے دن گئے کہ آٹھ پہاڑس کے پاس مجھے  
اب آگئے تو دُور سے کچھ غم سُنا گئے

خاک سے تیر کیوں نہ کیسا ہوں مجھ پہ تو آسمان ٹوٹا ہے

سوائے سنگدلی اور کچھ نہیں بھی ہے  
بتاں دلوں میں تمہارے خدا کا ڈر بھی ہے؟

عمر گزری کہ ترے کوچے کے آنے سے گئے  
دُور سے ایک نظر ویکہ کے جانے سے گئے

کیوں گمرونِ ہلال ابھی سے ڈھلک چلی



ابو تو اک طرف پلک اُس کی نہیں ہلی

فردوس سے کچھ اُس کی گلی میں کمی نہیں  
پر ساکنوں میں واں کے کوئی آدمی نہیں

نسبت مہ سے دُور اُس گل سے  
پشگفت ہے وہ گرفت ہے

لائق نہیں تمہاری مڑ گاں کے خوش نگاہوں  
بحر و جہل کو میرے کانٹوں میں مت ٹکسیڈو

اُن نے دیکھا جواٹھ کے سوتے سے  
اٹکے آئے کے توتے سے

دیکھتا ہوں تو کام میرا میرے اولِ عشق ہی میں آخر ہے

مشہور ہیں عالم میں تو کیا، ہیں بھی کہیں ہم



الفقه نہ ورچے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

نہ اسکندر نہ دارا ہے نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے  
یہ بیت المال ملک ہے وفا ہے وارثا گھر ہے



## رباعیات

دامنِ عزالت کا اب لیا ہے ہم نے  
 دل مرگ سے آشنا کیا ہے ہم نے  
 تھا چشمہ آبِ زندگانی نزدیک  
 پر خاک سے اُس کو بھر دیا ہے ہم نے

کیسا احساں ہے خلیقِ عالم کرنا  
 پھر عالمِ ہستی میں مکرم کرنا  
 تھا تیرا کرم یہ اے کریمِ مطلق  
 ناچیز کفِ خاک کو آدم کرنا

بُٹ خانے سے دل اپنے اٹھائے نہ گئے  
 کعبے کی طرف مزاج لائے نہ گئے  
 طورِ مسجد کو برہمن کیا جانے  
 یاں مدتِ عمر میں ہم آئے نہ گئے



چکا چکا پھیرا ذکر تو غم سے      کیا حرف و سخن عیب ہے کچھ محرم سے  
آخر کوڑ کے رہتے جنوں ہوتا ہے      اے میر کوئی بات کیا کریم سے

اب وقت عزیز کو تو یوں کھوٹ گئے      پر سوچ کے غفلت کے تئیں لڑ گئے  
کیا خواب گراں پہیل روز و شب ہے      جاگو ٹلک میر بھریت سوؤ گئے

ہر لفظ ملتا ہے کڑھاتا ہے مجھے      ہر آن مستان ہے کھاتا ہے مجھے  
کل میں جو کھا رہا ہے میرے حال      بولا ترا آزار خوش آتا ہے مجھے

اے میر کہاں دل کو لگایا تو نے      شکل اپنی بگاڑ کر کڑھایا تو نے  
جی میں نہ ترے حال نہ خبر کچھ لگ      اپنا یہ حال کیا بنایا تو نے

دل جن کے بجا ہیں اُن کو آتی ہے خواب  
آرام خوش آتا ہے سُہانی ہے خواب  
میں غمزدہ کیا اپنے دنوں کو دُور  
میری تو جہاں شب ہوئی جاتی ہے خواب



شب ابر کہ پیشِ رُو ہو دریا جس کا  
 آیا، دل داغ کر گیا جس شس کا  
 اُس سے ناگاہ ایک بجلی چلی  
 کیا جانے اُس نے گھر جلا یا کس کا

ہاں سے ہے بدن لطیف، رُو ہے نازک  
 پاکیزہ ہے تیری طبع، رُو ہے نازک  
 بیل نے سمجھ کے کیا تجھے نسبت دی  
 گئی سے تو ہزار پرودہ تو ہے نازک

ہم سب سے کہتے ہیں نہ تو رُو یا کر  
 ہنس کھیل کے ٹک چین سے بھی سو یا کر  
 پایا نہیں جانے کا وہ دُورِ نایاب  
 گڑھ گڑھ کے عبث جان کو مت کھو یا کر

چھو نہ کچھ اس بے سرو پا کی خواہش  
 کھتہ نہ ہو جد اہل وفا کی خواہش



جاننے ہیں چلے جی ہی بتوں کی خاطر  
معلوم نہیں کیا ہے خدا کی خواہش

آبِ حیاں نہیں گوارا ہم کو      کس نگاہِ محبت نے تارا ہم کو  
دریا دریا تھا شوقِ لبِ لبیک      جان بخش لبِ لبیک نے ارا ہم کو

ہر چہند کہ طاعت میں ہو ہے تو پیر  
پر بات مری سن کہ نہیں ہے تاخیر  
شیخ بکف پھر نے سے کیا کام چلے  
منگے کی طرح دل نہ پھرے جب تک غیر

کیا بستہ تھے جان ہوئی سختی بھاری  
جو اس بُتِ سنگدل سے کی سختی باری  
بیمار بھلا کیا کوئی ہو دے اس کا  
پوہینز کرے جس سے خدائی سادہ

راضی ہو گیا آپ کو رہا پر رکھے



ماٹل دل کو تنک قضا پر رکھے  
 بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا اے میر  
 سب کچھ موقوف اب خدا پر رکھے

دل خوں ہے جگر داغ ہے رخسار ہے زرد  
 حسرت سے گلے لگنے کی چھاتی میں ہے درد  
 تنہائی و بے کسی و صحرای گری  
 آنکھوں میں تمام آب، منہ پر سب گری

دل خون ہوا ضبط ہی کرتے کرتے  
 ہم ہو ہی چکے دکھوں کے بھرتے بھرتے  
 اے مایہ زندگی، ستم ہے یہ اگر  
 بھر آنکھ تجھے دیکھیں نہ مرنے مرنے

مستی نہ کر اے میر اگر ہے ادراک  
 دامن بلند ابرنمط رکھ تو پاک  
 ہے عاریتی جامِ ہستی میرا



ہشیار کہ اس پر نہ پڑے گرد و خاک

پلے اس شخص سے جو آدم ہووے  
ناز اس کو کمال پر بہت کم ہووے  
ہو گر مہ سخن تو گرد آوے اک خلق  
خاموش رہے تو ایک عالم ہووے

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے  
خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے  
یہ ملت کم کہ جس کو کھتے ہیں عمر  
مزم کے غرض تمام کی ہے ہم نے

ہیں گو کہ سبھی تمھاری پیاری باتیں  
پر جی سے نہ جائیں گی تمھاری باتیں  
آنکھیں ہیں ادھر روئے سخن اور طرف  
باروں کی نظر میں ہیں یہ ساری باتیں



اتنے بھی نہ ہم خراب ہونے رہتے  
 کا ہے کو غم و الم سے روتے رہتے  
 سب خواب سے چونکے ہیں وبال  
 بہتر تھا یہی کہ وہ ہیں سوتے رہتے

ہم تیرے اتنے ہیں وراثت خوب  
 متروک جہاں ہم ہیں وہ سب کا محبوب  
 ہم ممکن اُسے وجوب کا رتبہ ہے  
 ہے کچھ بھی ہم مناسبت کا اسلوب

گو رکش ہفتاد و دو ملت ہم ہیں  
 مراست بدن نما سے وحدت ہم ہیں  
 بے اپنے نو داس کی اتنی معلوم  
 معنی محبوب ہے تو صورت ہم ہیں

مختر میں اگر یہ آتشیں دم ہوگا  
 ہنگامہ سب اک لپیٹ ہیں برہم ہوگا



تکلیف بہشت کاشش مجھ کو نہ کریں  
ورنہ وہ باغ بھی جہنم ہو گا

ہر صبح میرے سر پہ قیامت گزری  
ہر شام نئی ایک مصیبت گزری  
پامال کہورت ہی رہا یاں دن رات  
یوں خاک میں ملنے لگو مدت گزری

اب صوفی و صلوٰۃ سے بھی سہجہ پیرا  
اور آدو و وظائف سے کیا استفادہ  
عقیدے نہ کھلے دل کے بیانِ تسبیح  
اسمائے الہی بھی پڑھے سو سو بار

ہر روز نیا ایک تماشا دیکھا  
ہر کوچے میں سو جوانِ رعنا دیکھا  
دنی تھی ظلمات کہ ہر جا کہ بستہ  
ان آنکھوں سے ہم نے آہ کیا کیا دیکھا



آئی نہ بکھو رسمِ تلفت تم کو  
کرتے نہ سنا ہم یہ تانتف تم کو  
مرنے ہیں ہم اور منہ چھپانے ہو تم  
ہم سے اب تک بھی ہے تکلف تم کو

ہجراں میں کہا سب نے کنارِ آخر  
اسباب گیا جینے کا سارا آخر  
نے تاب رہی نہ صبر و یادِ آخر  
آخر کو ہوا کام ہمارا آخر

حاصل نہیں دُنیا سے بجز دلِ بیشی  
رکھتی نہیں اعتبارِ بارِ می خولشی  
توفیقِ رفیق ہو تو سب کر کے ترک  
ہے جی میں کہ بکچا کریں درویشی

اوقاتِ جوانی کے گئے عشرت میں  
ایامِ لڑکپن کے گئے غفلت میں



پیری میں جز افسوس کیا کیا جائے  
یکبارہ کمی ہی آگئی طاقت میں

آچند تلف تیر حیا سے ہوگا  
شائستہ صد ستم وفا سے ہوگا  
کر ترک ملاقات بتاں کہے جل  
ان سے ہوگا سوا اب خدا سے ہوگا

وہ غم گیا کہ جو اس کے سہتے  
وہ بات نہیں رہی کہ چپکے رہتے  
جب جی ہی چلا گیا تو صرف کیا ہے  
بے صرف جو کچھ 'منہ میں آئے' کہتے

حسن ظاہر بھی ہے ہمارے دلخواہ  
موجودات بھی ہوں، ہیں معنی آگاہ  
باغ عالم کو چشم کم سے مت دیکھ  
کیا کیا ہیں رنگ یاں بھی اللہ اللہ



جس وقت شروع یہ حکایت ہوگی  
 رنجیدگی یک دگر نہایت ہوگی  
 احوال و فاکا اپنی ہرگز مجھ سے  
 مست پوچھ کہ کہنے میں شکایت ہوگی

مسجد میں توشیح کو فروشاں دیکھا  
 میخانے میں شور بادہ نوشاں دیکھا  
 اک گوشہ عافیت جہاں میں ہم نے  
 دیکھا تو محضہ خموشاں دیکھا

کیا کرے بیاں مسہبت اپنی پیارے  
 دن عمر کے تیرے غم میں گزریں سلسلے  
 رنج و ضعف و بلا اذیت محنت  
 پہنچا ہی نہ میں تو ان دکھوں کے لیے

یاروں کو کدو رہیں ہیں ابو ہم سے  
 جس روز کہ ہم جا میں گئے اس عالم سے



اُس روز کھلے گی صاف سب پر یہ بات  
اس بزم کی رونق تھی ہمارے دم سے

## رباعی مستزاد

دلی میں بہت سخت کی اب کی گزران۔ دل کو کرسنگ  
فہرست نہ رہی عاقبت کار ز شان۔ کھینچا یہ تنگ  
یاروں میں نہ تھا کوئی مروت جو کہے۔ اُڑے تھے گھر  
تا حدِ نظر صاف پڑے تھے مہربان۔ غصہ تھا تنگ

K UNIVERSITY LIB

Acc No. 315033

Date 11-3-88



ALLAMA IQBAL LIBRARY



315033









**ALLAMA  
IQBAL LIBRARY**

**UNIVERSITY OF KASHMIR**

**HELP TO KEEP THIS BOOK  
FRESH AND CLEAN**